ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

"اسلام صرف عبادات کا نام نہیں بلکہ وہ تمام مذہبی، تمدنی، اخلاقی، سیاسی ضروریات کے متعلق ایک کامل اور مکمل نظام رکھتا ہے جو لوگ کہ زمانہ موجودہ کی کشمکش میں حصہ لینے سے کنارہ کشی کرتے ہیں اور صرف حجروں میں بیٹھے رہنے کو اسلامی فرائض کی ادائیگی کیلئے کافی سمجھتے ہیں وہ اسلام کے پاک وصاف دامن پر ایک بدنما دھبہ لگاتے ہیں"

(شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیات نو بلریاگنج

جلد ۱۱ | صفر ۱۴۱۶ھ جولائی ۱۹۹۵ء | شمارہ ۷

بدل اشتراک

سالانہ زرتعاون ۵۰/- روپے
طلبہ کے لئے ۴۰/- روپے
خصوصی زرتعاون ۱۰۰/- روپے
اعزازی زرتعاون ۱۰۰۰/- روپے
غیر ممالک سے زرتعاون ۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ ۵/- روپے

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی

مدیر
محمد اسمٰعیل فلاحی

معاون مدیر
عبدالبر اثری فلاحی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڑھ
فون نمبر ۱۱۵/۹۱ پن کوڈ ۲۷۶۱۲۱

کتابت: محمد اشفاق عالم مفتاحی

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا اجلاس عام ششم

شوریٰ کی طرف سے طے شدہ پروگرام کے مطابق ۱۶/۷/۱۹۹۵ء کو اجلاس عام سے متعلق مرکزی موضوع اور دیگر ضروری امور طے کرنے کیلئے [illegible] میں کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ جسمیں رحمت اللہ اثری فلاحی، نسیم غازی فلاحی، عبدالباری [illegible] فلاحی، عبداللہ فہد فلاحی (کنوینر) اور دیگر فلاحی برادران ڈاکٹر فیضان احمد [illegible] سمیع اختر فلاحی، ابوذر فلاحی، وسیم احمد فلاحی وغیرہ نے شرکت کی اور طے پایا کہ اس اجلاس کا مرکزی موضوع "مسلم اداروں کو درپیش چیلنج" ہوگا۔ اسمیں اظہار خیال کیلئے دعوت دینی اور عصری دونوں کے نمائندے اداروں کے ذمہ داروں کو دی جائے گی۔ انجمن طالبات قدیم کے لئے بھی ایک موضوع "معاشرہ کی تعمیر میں خواتین کا کردار" طے کیا گیا ہے۔ یہ اجلاس ان شاء اللہ مارچ میں ہوگا۔ اور ان امور کو آخری شکل ستمبر کے شروع میں ہونے والی مجلس شوریٰ میں دی جائے گی۔

فلاحی برادران متعلقین و ہمدردان جامعہ کو اس سلسلہ میں اظہار خیال کی دعوت دیجاتی ہے۔

والسلام
رحمت اللہ اثری فلاحی
صدر انجمن

نقوش حیات نو

صفحہ

ادا ریہ

لگائی ہے باغباں نے آتش — محمد اسمٰعیل فلاحی ۳

بحث و نظر

ملک کا سیاسی و تعلیمی نظام اور تحریک اسلامی — عبدالبر اثری فلاحی ۹

تعلیم مفہوم اور مقصد ــــ اسلام کے تناظر میں — تاج محمد صدیقی ۶

سیر و سوانح

امام محمد بن عبدالرحمٰن قنبل مکیؒ — محمد الیاس اعظمی ۲۲

وفیات

آہ محمد صلاح الدینؒ — ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی ۲۸

تھی جسکی رگ و پے میں فقط مستی کردار — محمد اسمٰعیل فلاحی ۲۳

فقہ و فتاویٰ

ان الحسنات یذھبن السیئات — علامہ یوسف القرضاوی ۲۹

یوم عاشوراء کا روزہ اور یہود کی مخالفت

کیا ماہ محرم میں شادی جائز نہیں

شعر و نغمہ

غزلیں — ادریس ضیا، انور ظہیر، سالک بستوی ۳۵، ۳۸

تعارف و تبصرہ

مولانا شاہ محمد عبدالرحیم مجددیؒ ــــ حیات و خدمات — عبدالبر اثری فلاحی ۴۳

جامعہ کے لیل و نہار

امتحانات، جمعیۃ الطلبہ کا انتخاب — محمد اسمٰعیل فلاحی ۴۶

ادا ریہ

لگائی ہے باغباں نے آتش

محمد اسمٰعیل فلاحی

کچھ دنوں پہلے کا واقعہ ہے۔ بعض نوجوانوں نے بتایا کہ ہم الہ آباد بورڈ سے عالمیت کا امتحان دینے گئے تھے۔ انکے بقول وہاں امتحان کے معاملہ میں بڑی رعایت اور چھوٹ تھی۔ طالب علم کوئی تھا، امتحان کوئی اور دے رہا تھا۔ بعض اساتذہ تک تفسیر، احادیث اور دینیات سے متعلق دوسری کتابیں یا انکے اوراق چھپائے، طلبہ کی جگہ بیٹھے امتحان دے رہے تھے۔ دوسرے دن معلوم ہوا کہ یہ طلبہ بھی امتحان دینے نہیں گئے بلکہ انہوں نے اپنی جگہ کچھ دوسرے نوجوانوں کو بھیج دیا۔

پچھلے سال کی بات ہے میں سیوان گیا ہوا تھا۔ مدرسہ اکزامینیشن بورڈ بہار کے امتحانات چل رہے تھے۔ میری خواہش پر برادر عزیز محمد یعقوب فلاحی اور جناب محمد قاسم صاحب مجھے ایک سنٹر پر لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ طلبا اور طالبات گروپ کی شکل میں کچھ لکھ پڑھ رہے ہیں۔ مجھے محسوس نہیں ہوا کہ یہ امتحان ہال ہے۔ میں نے امتحان ہال کی جانب چلنے کیلئے کہا تو بتایا گیا کہ یہی امتحان ہال ہے اور یہی امتحان دینے والے طلبہ ہیں۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ جو طلبہ زیادہ فراخ دست ہیں، انہیں یہاں آنے کی بھی ضرورت نہیں، انکی امتحانی کاپیاں اور پرچے انکے گھر پہونچا دیئے جاتے ہیں۔

گذشتہ سال علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے سفر کے دوران میرے علم میں یہ بات لائی گئی کہ وہاں بھی پچھلے دنوں بعض امتحانات میں کٹے اور ریوالور کے

سہارے دھڑلے سے نقل کی گئی ۔

اسی سال عربی اول میں داخلہ کیلئے مقابلہ امتحان میں شرکت کی غرض سے ایک صاحب اپنی بچی کو لیکر جامعہ حاضر ہوئے ۔ انہوں نے اس حد تک جرأت کی کہ کہنے لگے " بچی امتحان کی تیاری نہیں کر پائی ہے ۔ سوچتا ہوں اسکی جگہ اسکی بڑی بہن کو بٹھا دوں " ۔ میں سوچنے لگا کیا اب اس مادر علمی کا تقدس بھی یوں پامال ہوگا ؟

امتحان میں نقل وغیرہ کی اس سہولت سے نہ صرف طلبہ خوش ہوتے ہیں بلکہ ان کے سرپرست بھی بالعموم یہی پسند کرتے ہیں ۔ معاملہ کا دوسرا پہلو تصویر کا دوسرا رخ نگاہوں سے اوجھل رہتا ہے ۔ کسی سماج یا قوم کو قعر مذلت میں دھکیلنا اور اسے پسماندہ اور اچھوت بنانا ہو تو اس کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس پر تعلیم کے دروازے بند کر دو ، اس کا داخلہ اسکولوں میں ممنوع قرار دو اور اسے ہاتھوں میں کاپی کتاب لینے کی اجازت نہ دو ۔ لیکن ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس کے لئے کب تیار ہو سکتی ہے ۔ وہ سڑکوں پر نکل آئے گی اور مرنے مارنے کے لئے تیار ہو جائیگی ۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے اس دور کے عیاروں نے ایک دوسری راہ نکالی ہے ۔ وہ یہ کہ اسکولوں میں داخلے خوب دیئے جائیں ، داخلوں کیلئے کوئی جانچ معیار نہ ہو اور یہ کہ امتحان میں نقل کی کھلی چھوٹ کے ساتھ نمبرات دینے میں فراخ دلی کا ثبوت دیا جائے ۔ اس طرح لوگ خوش بھی ہوں گے اور لکھنے پڑھنے کا ماحول ختم ہونے سے طلبہ کے اندر کتابوں سے دلچسپی کے بجائے نامناسب تفریحات اور ناپسندیدہ مشاغل کا رجحان پروان چڑھے گا اور پھر یہی نااہل اور بے صلاحیت افراد استادوں کی جگہ لیں گے ۔ رفتہ رفتہ تعلیمی پستی کا حال یہ ہوگا کہ چند نسلیں گذرنے کے بعد کوئی نقل کرانے کے لائق بھی نہیں ملے گا ۔ صحیح کہا تھا ایک امتحانی سنٹر پر مامور کسی پولیس والے نے " بٹیا " آج

تمہارے سرپرست نقل کرا رہے ہیں ، لیکن جب تم سرپرست ہو گئے تو اپنے بچوں کو نقل کرانے کے لائق بھی نہ رہو گے " ۔ اس کا فوری نقصان یہ ہوگا کہ صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے پروفیشنل کورسوں میں انہیں داخلہ نہیں ملے گا اور نہ قومی اور ملکی سطح کی ملازمتوں کیلئے وہ کسی کمپٹیشن میں کامیاب ہو سکیں گے ۔ لے دے کر تیسرے اور چوتھے درجہ کی ملازمت ہی انکا مقدر رہوگی ۔

امتحانوں میں یہ نرمی اور نقل وغیرہ کی چھوٹ نہ تو امانت و دیانت کا تقاضا ہے اور نہ طلبہ کے ساتھ ہمدردی ۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ہماری نوجوان نسل کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش اور اسکیم کا حصہ ہے اور یہ وہ میٹھا زہر ہے جو آہستہ آہستہ سرایت کرتا رہتا ہے اور مریض کو آخر دم تک احساس نہیں ہو پاتا ۔ اگر اس کا کوئی فائدہ ہے بھی تو وہ وقتی اور عارضی قسم کا جسے کوئی ثبات نہیں ۔ یہ تو ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو ملازمتیں مل جائیں لیکن نتیجتاً اگلی نسل کو علم رکھنے والے دماغ اور بصیرت رکھنے والی نگاہ سے محروم کرنا ہے ۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا حشر یہ نہ ہو تو ہمیں معیار تعلیم بلند کرنا ہوگا ۔ اسکولوں کے نظام میں ڈھیلا پن ، گھنٹیوں کا خالی رہنا ، کورس کا پورا نہ ہونا ، معمولی معمولی باتوں پر طلبہ کی غیر حاضری ، امتحان میں نقل ، تاک جھانک اور استاذ پرچوں کا غیر معیاری ہونا اور آؤٹ ہو جانا ، کاپیوں کے جانچنے میں بیجا رعایت اور دوسروں کے دباؤ میں آجانا ، یہ دراصل تعلیمی نظام میں لگنے والے وہ کیڑے ہیں جو اندر ہی اندر پورے نظام کو چاٹ ڈالتے اور تعلیمی کیریئر کو تباہ کر دیتے ہیں ۔ ہمیں ان پر قابو پانا اور کڑی نگاہ رکھنی ہوگی ۔ ہمیں یہ عزم کرنا ہوگا کہ اسکول میں نظم و ضبط ، کورس کی تکمیل ، طلبہ کی مکمل حاضری اور دیانت دارانہ امتحان میں نہ کسی کے ساتھ رعایت ہوگی اور نہ کسی سفارش یا دباؤ کا اثر قبول کیا جائیگا لیاقت اور اہلیت کے علاوہ کوئی دوسرا پیمانہ نہ ہوگا ۔ پھر نئی سحر کروٹ لیگی

بقیہ صفحہ ۸ پر

تعلیم

تاج محمد صدیقی
فیض آباد (یوپی)

مفہوم اور مقصد — اسلام کے تناظر میں

تعلیم اس عمل کا نام ہے جس کے ذریعے کردار اور اخلاق کی تربیت کے ساتھ وہ علم پہونچانا مقصود ہے جس سے معرفتِ الٰہی کا ادراک ہو سکے۔ دنیا میں پائے جانے والے مختلف نظریہ حیات تعلیم کے مختلف مفہوم پیش کرتے ہیں۔ مگر اسلام تعلیم کے ایسے سبھی مفاہیم کو رد کرتا ہے جو مرکز توحید سے ہٹاتے ہوں۔ اگر ہم اپنے دماغ پر تھوڑا سا زور ڈالیں تو آسانی اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ وہ تعلیم بھی کیا تعلیم ہے جو خالق کائنات کی پہچان کرانے میں قاصر ہو۔ آج دنیا میں جو مختلف نظامہائے تعلیم رائج ہیں انہیں کہیں تصور خدا نہیں ہے۔ صرف اسلام ہی وہ نظریہ حیات ہے جس کا نظام تعلیم خدا کے محور پر گردش کرتا ہے آج دنیا میں خواندگی نے علم کی جگہ لے لی ہے۔

دنیا میں مختلف نظریہ حیات کے تحت تعلیم کے الگ الگ مقاصد بیان کئے جاتے ہیں اور وہ سب مادہ کے ارد گرد چکر لگاتے ہیں دنیا کے فلاسفہ و ماہرین تعلیم کی نگاہیں مادہ سے الگ ہٹ کر کچھ سوچ پانے میں یکسر قاصر ہیں کیونکہ ان کے پاس آخرت کا کوئی واضح تصور نہیں ہے اور اگر ہے بھی تو بہت ہی دھندلا اور باطل نظریات سے آلودہ ہے اب آیئے مختلف نظامہائے زندگی میں تعلیم کے مقصد کا جائزہ لیا جائے۔

۱۔ سرمایہ دارانہ نظام میں تعلیم کا مقصد زیادہ سے زیادہ سرمایہ اکٹھا کرنے کا اہل بنانا۔
۲۔ اشتراکی نظام میں ملک کی تعمیر و ترقی اور پیداوار میں معاون بنانا۔
۳۔ جمہوری نظام تعلیم میں وطن و آئین کا غلام بنانا۔
۴۔ شاہی نظام تعلیم میں بادشاہ کا مطیع و فرماں بردار بنانا۔
۵۔ اسلام کے نزدیک انسانوں کو اللہ کا صالح بندہ بنانا ہے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اسلام نے تعلیم کا جو مقصد مقرر کیا ہے اس میں کس قدر وسعت ہے اللہ کے صالح بندے ہی ایک مثالی معاشرہ قائم کر سکتے ہیں جس کے ہر عمل سے یقینی طور پر خیر کا چشمہ جاری ہو سکتا ہے اور وہی معاشرہ زمین پر امن و انصاف قائم کر سکتا ہے اس کے برعکس دوسرے مقصد تعلیم موجب شر ہیں جو زمین پر امن و انصاف کی جگہ استحصال، نفرت اور دشمنی ہی کے بیج بو کر فصل تیار کرتے اور کاٹتے ہیں۔

اسلام نے انسانوں کی فطری صلاحیت کی بھرپور نشو و نما کا پورا موقع عطا کیا ہے اور انسانوں سے فریضۂ خلافت کے بار گراں کو انجام دلانا چاہتا ہے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے جد امجد حضرت آدمؑ کو اس کائنات کی تمام اشیاء کا نام مع ان کی صفت و تاثیر کے بتایا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ خلافت کے فریضے کی انجام دہی کے لئے انسانوں کا علم الاشیاء سے بخوبی واقف ہونا کاروبار حیات کے لئے ناگزیر ہے ہمارے لئے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ علم الاشیاء کا مزاج انسانوں کو اس کائنات کی زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرانا ہے مگر انسانوں کے پاس فطری کمزوریاں، خواہشات نفس مختلف طرح کی جبلتیں، طرح طرح کے جذبات وغیرہ بھی ہیں جن پر قابو پانا علم الاشیاء کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی علم الاشیاء کا یہ مقصد ہے۔ انسانوں کی انہیں منہ زور یا فطری قوتوں کو کنٹرول کرنے، صحیح رخ دینے، صالح اور پاکیزہ بنانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے علم الہدیٰ کا سلسلہ جاری کیا جس کیلئے رب کائنات نے اس زمین پر انسانوں کی رہنمائی کے لئے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام بھیجے ہر نبی نے اس زمانے کی ضرورت کے تحت اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی ہوئی ہدایات انسانوں تک پہونچائیں اس طرح سے دونوں علوم انسانوں کی دنیوی و اخروی کامیابی کے لئے بیک وقت ضروری ہیں گویا کہ یہ دونوں علوم دو روشنیاں ہیں جب دونوں اکٹھا ہوں گی تو کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے ایک روشنی ناکافی اور ادھوری ہے اس نقطے کو میں ایک مثال کے ذریعہ واضح کرنا چاہتا ہوں۔ مان لیجئے میں اپنے کمرے میں موجود ہوں جس میں بجلی کا ایک بلب روشن ہے مگر میری آنکھوں میں روشنی نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ رات میں جب میں بستر سے اٹھوں اور

جوتا یا چپل اپنے پیر میں پہننا چاہوں تو زمین پر بیٹھا ہوا سانپ مجھ کو ڈس لے کیونکہ آنکھ میں روشنی نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اسے نہیں دیکھا اس کے برعکس مان لیجئے بجلی کا بلب نہیں جل رہا ہے کمرے میں گھپ اندھیرا ہے اور میری آنکھ میں روشنی ہوتے ہوئے بھی جب میں جوتا یا چپل پہننے کے لئے اپنا پیر لٹکاؤں تو سانپ کاٹ سکتا ہے جس کو کمرے میں اندھیرا چھایا ہونے کی وجہ سے میں دیکھ نہ سکا پتہ یہ چلا کہ دو روشنیوں کے بغیر ہمارا کام نہیں چل سکتا ہے ایک روشنی بالکل ناکافی ہے اس مثال کو آیئے علم کے معاملے میں لاگو کر کے دیکھیں علم بھی حیات انسانی کے لئے اسی وقت نفع بخش ہو سکتا ہے جبکہ دونوں روشنیاں اسے بیک وقت میسر آئیں ایک روشنی ہر حال میں پورے طور پر نفع بخش نہیں ہو پائے گی آج تمام اقوام عالم میں بالعموم تعلیم ادھوری چل رہی ہے مسلمانوں کا حال اس سے کچھ الگ نہیں ہے آج مسلمان اپنے بچوں کو دو انتہاؤں میں تعلیم دلا رہا ہے مسلمان اپنے بچوں کو یا تو خالص دینی تعلیم دلا رہا ہے یا خالص عصری اس طرح دو انتہاؤں کی یہ تعلیم اس کے لئے پورے طور پر نفع بخش نہیں ثابت ہو رہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے بچوں کیلئے ایسا نظام تعلیم وضع کریں جس میں دونوں علوم کا بہترین امتزاج ہو یاد رکھئے کہ علم ایک ناقابل تقسیم کل ہے جس کے دونوں اجزاء باہم گہرے طور پر مربوط ہیں یہ علم اسی وقت حیات انسانی کے لئے نفع بخش ہو سکتا ہے جبکہ دونوں کا بہترین امتزاج ہو ۔

بقیہ : لگائی ہے باغباں نے آتش

اور غیر متعلق اور غیر مفید کاموں میں اپنا وقت صرف کرنے کے بجائے طلبہ کے اندر لکھنے پڑھنے کا ذوق پروان چڑھے گا اور وہ جان توڑ محنت کریں گے ۔ انکے پاس وقت نہیں ہوگا کہ وہ ہنگامہ کریں یا کوئی مسئلہ پیدا کریں ۔ اس صورت میں ملت کو ہم ایسی نسل دے سکیں گے جس پر دنیا کی دوسری قومیں رشک کریں گی اور اگر ہمارے پاس ایسے باصلاحیت علم و تحقیق کے دلدادہ نوجوان ہوں گے تو کوئی غم نہیں اگر ہمارے خزانے خالی ہوں ۔ ہم گدڑی میں بھی لعل لیے رکھتے ہوں گے ۔

عبدالبر اثری فلاحی

ملک کا سیاسی و تعلیمی نظام اور تحریک اسلامی

تمہید

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صِنْفَانِ مِنْ أُمَّتِي إِذَا صَلَحَا صَلَحَتِ الْأُمَّةُ وَإِذَا فَسَدَا فَسَدَتِ الْأُمَّةُ الْعُلَمَاءُ وَالْحُكَّامُ.

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا، میری امت میں دو طرح کے لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ سدھر جائیں تو پوری امت سدھر جائے گی اور جب وہ بگڑ جائیں تو پوری امت بگڑ جائے گی ایک تو حکمراں دوسرے علماء ۔

(جامع بیان العلم و فضلہ از ابن عبدالبر قرطبی ج ۱ ص [illegible])

اس حدیث کے بین السطور سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر نظم امارت و سیاست اور علم و حکمت درست ہو تو ساری چیزوں کی اصلاح ہو سکتی ہے اور اگر یہی بگڑا ہے تو ساری چیزیں بگڑ جائیں گی اور پھر تباہی کے علاوہ کوئی چیز مقدر نہیں بن سکتی ۔

اس اہمیت کے پیش نظر ہر فرد کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ وہ جہاں رہتا بستا ہے وہاں کے نظم امارت و سیاست اور نظم علم و حکمت کو جانے پرکھے اور اگر اس میں کچھ بگاڑ ہے تو اس کی اصلاح کرے تاکہ تباہی کے گڈھے میں گرنے سے بچ سکے ۔

ہم اور آپ چونکہ ہندوستان میں رہتے ہیں اس لئے ہمیں اور آپ کو یہاں کے سیاسی اور تعلیمی نظام کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے تاکہ صحیح ڈھنگ سے اس سے استفادہ کر سکیں اور خدانخواستہ اگر اس میں کہیں بگاڑ ہے تو اس کے اصلاح کی تدبیر بھی اختیار کر سکیں۔ اس پہلو سے جو چیزیں کھٹک پیدا کرتی ہیں اسے صفحہ قرطاس پر لایا جا رہا ہے تاکہ کسی کو کچھ فائدہ پہنچ جائے ۔ سہولت کے لئے سیاسی نظام اور تعلیمی نظام پر الگ الگ بحث کروں گا تاکہ ہر چیز منقح اور متعین رہے ۔

سیاسی نظام کی بنیادیں

سیاسی نظام کے جاننے کے لئے سب سے پہلے بھارت کے آئین کا مطالعہ کرنا ضروری ہے جب آپ مطالعہ کریں گے تو محسوس کریں گے کہ اس کی بنیاد ہی غلط اساسات پہ ہے ہمارے ملک کا موجودہ آئین اس وقت بنا جب کہ وہ انگریزوں کے تسلط سے آزاد ہوا۔ اس وقت جو لوگ بھی قیادت کے منصب پر فائز تھے وہ سب مغرب سے متاثر تھے بلکہ ان کے ذہنی غلام تھے اس لئے انہوں نے ملک کے لئے جو نظام مرتب کیا وہ بھی مغربی نظام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں اس لئے صرف چند اصولی باتوں کی طرف نشاندہی پر اکتفا کروں گا۔ اس ضمن میں بھارت کے آئین کی تمہید پر ایک نگاہ ڈال لینا فائدے سے خالی نہ ہوگا کیونکہ اس کے اندر بہت ہی اہم اور بنیادی باتیں سمٹ آئی ہیں۔

"ہم بھارت کے عوام متانت و سنجیدگی سے عزم کرتے ہیں کہ بھارت کو ایک مقتدر سماج وادی غیر مذہبی عوامی جمہوریہ بنائیں اور اس کے تمام شہریوں کے لئے حاصل کریں انصاف سماجی، معاشی اور سیاسی۔

آزادی خیال اظہار، عقیدہ، دین، اور عبادات

مساوات باعتبار حیثیت اور موقع

اور ان سب میں اخوت کو ترقی دیں جس سے فرد کی عظمت اور قوم کے اتحاد اور سالمیت کا تیقن ہو۔

اپنی آئین ساز اسمبلی میں آج ۲۶ نومبر ۱۹۴۹ء کو یہ آئین ذریعہ ہذا اختیار کرتے ہیں، وضع کرتے ہیں اور اپنے آپ پر نافذ کرتے ہیں۔"

(بھارت کا آئین صفحہ ۳)

اس میں بطور خاص ابتدائی دو سطروں اور آخری دو سطروں کو ذہن میں رکھیں اس کا ایک ایک لفظ بول رہا ہے کہ یہ نظام مغرب سے مستعار ہے۔ نتیجۃً اس میں وہ ساری خرابیاں موجود ہیں جو مغربی نظام میں پائی جاتی ہیں۔ کچھ اہم حسب ذیل ہیں۔

۱۔ لادینیت SECULARISM

۲۔ قوم پرستی NATIONALISM

۳۔ حاکمیت جمہور DEMOCRACY

ان کو سمجھنے کیلئے ان پر گہری نظر ڈالنا ضروری ہے لیکن طوالت کے خوف سے میں اختصار سے کام لوں گا۔

۱۔ لادینیت SECULARISM

سیکولرزم لاطینی لفظ SECULARIS سے مشتق ہے جس کا معنی ہے دنیاوی WORLDLY عارضی TEMPORAL اور قدیم OLD – AGE اگر کلیسا کے کسی پادری کو خانقاہی زندگی ترک کر کے دنیاوی زندگی اختیار کرنے کی اجازت مل جائے تو ایسے پادری کو سیکولر SECULER کہا جاتا ہے چیمبرس ڈکشنری CHAMBERS DICTIONARY میں سیکولرزم کے معنی لکھے گئے ہیں۔

"یہ یقین کہ ریاست، اخلاقیات اور تعلیم وغیرہ کو مذہب سے آزاد ہونا چاہئے۔"

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری OXFORD ENGLISH DICTIONARY میں سیکولرزم کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

"سیکولرزم اس تصور حیات کو کہا جاتا ہے جس میں خدا یا مذہبی معتقدات کو نظر انداز کر کے انسانی بہبود کا انحصار صرف دنیاوی زندگی کی آسائش و بہبود پر ہوتا ہے۔"

(ماخوذ مسلمان اور سیکولر ہندوستان از رشید الحق صفحہ)

اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں۔

"لادینی (SECULARISM) کا مطلب یہ ہے کہ خدا اور اس کی ہدایت کو اور اس کی عبادت کے معاملے کو ایک شخص کی ذاتی حیثیت تک محدود کر دیا جائے اور انفرادی زندگی کے اس چھوٹے سے دائرے کے سوا دنیا کے باقی تمام معاملات کو

ہم خالص دنیوی نقطۂ نظر سے اپنی صوابدید کے مطابق خود جس طرح چاہیں طے کریں؟ ان معاملات میں یہ سوال خارج از بحث ہونا چاہیئے کہ خدا کیا کہتا ہے اور اس کی ہدایت کیا ہے اور اس کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔" (اسلامی نظام اور مغربی لادینی جمہوریت از مودودی صفحہ [illegible])

یہی نقطۂ نظر جب کوئی حکومت اختیار کرے تو وہ "سیکولر اسٹیٹ" کہلاتا ہے چنانچہ "سیکولر اسٹیٹ" کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر وید پرکاش لوتھر نے اپنی کتاب "سیکولر اسٹیٹ کا تصور اور ہندوستان" THE CONCEPT OF THE SECULAR STATE AND INDIA میں لکھا ہے

"سیکولر اسٹیٹ وہ ریاست ہے جو مذہب سے جدا اور مذہب سے غیر متعلق ہو اور مذہب کے لئے وقف نہ ہو" (صفحہ [illegible])

۲- قوم پرستی NATIONALISM

NATION "گروہ" اور "قوم" کو کہتے ہیں کسی بھی بنیاد پر انسان کا یکجا ہو جانا اسے ایک "گروہ" بنا دیتا ہے۔ جیسا کہ لارڈ برائس LORD BRYSE کا خیال ہے۔

"قوم سے مراد اشخاص کا ایسا مجموعہ ہے جن کو چند مخصوص جذبات نے ملا کر باہم مربوط کر دیا ہو" ماضی میں اور فی زمانہ مختلف بنیادوں پر لوگ جمع ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں اگر ان کا استقصا کیا جائے تو وہ تقریباً نو بنتے ہیں۔

(۱) مشترکہ نسل (۲) مشترکہ زبان (۳) مشترکہ مذہب (۴) مشترکہ ثقافت و تہذیب (۵) مشترکہ مزاج و عادات و اطوار (۶) مشترکہ تاریخ (۷) مشترکہ شعور محبت و دوستی (۸) مشترکہ شعور دشمنی و نفرت (۹) مشترکہ آرزوئے آزادی وطن وغیرہ

[illegible] میں زوال پذیر یورپ کے نقشہ کی تشکیل جدید کے لئے جب دنیا کی کانگریس پیرس میں تمام اہم شخصیات وہاں جمع ہوئے تو انہوں نے غور و خوض کر کے "قوم" کی جو تعریف متعین کی تھی وہ یہ ہے

"ہر وہ آبادی جو نسل، تہذیب، مذہب، زبان اور تاریخ کے اعتبار سے ایک ہو وہ ایک قوم ہے اور ہر قوم کو سیاسی اعتبار سے آزاد اور خود مختار رہنے کا حق حاصل ہے" (ترجمان القرآن لاہور ج ۱۱ عدد ۳ صفحہ [illegible] مضمون قومیت اور وطنیت کی تحریک کا فروغ از مسلم)

ان بنیادوں پر جب بھی کوئی قوم متحد ہوتی ہے ان کے اندر چار چیزیں لامحالہ پائی جاتی ہیں

(۱) اپنی قوم پر فخر کرنے کا جذبہ (۲) قومی حمیت کا جذبہ (۳) قومی تحفظ کا جذبہ (۴) [illegible] کا جذبہ

یہی وہ جذبات ہیں جو قومیت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہ قومیت بجائے خود کوئی بری چیز نہیں ہے۔ یہ تو ایک فطری چیز ہے۔ اپنی قوم سے محبت رکھنا، ان کی خیر خواہی چاہنا، ان کو برسرترقی دیکھنا، کسی قوم کا اپنا نظم مملکت خود چلانا یہ سب اچھی چیزیں ہیں اور مطلوب ہیں دراصل اس میں خرابی اس وقت آتی ہے جب اپنے حدود سے آگے بڑھ کر یہ عداوت، نفرت اور انتقام کے جذبات کو جنم دیتی ہے اور قومی مفاد ہی سب کچھ بن جاتا ہے نیکی وہ قرار پاتی ہے جو قوم کے لئے مفید ہو خواہ وہ عین ظلم و ناراستی ہو اور بدی وہ قرار پاتی ہے جس سے قوم کی خواہشات کو نقصان پہنچے خواہ وہ سچائی ہو مبنی برانصاف ہو۔

چونکہ اس کا آغاز یورپ اور قیصر کے عالمگیر استبداد کے خلاف بغاوت کے طور پر ہوا تھا اس لئے قومیت یہاں تک جا پہنچی کہ جس جگہ سے بے دینی کی تحریک نے خدا کو بے دخل کیا تھا وہاں قوم پرستی نے قومیت کو لا بٹھایا اور ایک نازی لیڈر کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔

"ہٹلر کی خدمت کرنا جرمنی کی خدمت کرنا ہے اور جرمنی کی خدمت کرنا خدا تعالیٰ کی خدمت کرنا ہے۔ ہٹلر کا ہر فیصلہ خیر ہے اور ابد تک خیر رہے گا۔ ہٹلر کی خدمت کے لئے ہر ذریعہ استعمال کیا جا سکتا ہے خواہ وہ بظاہر غیر اخلاقی نظر آئے۔"

(ترجمان القرآن لاہور ج ۱۱ عدد ۵ صفحہ ۲۳ مضمون قومیت و وطنیت کی تحریک کا فروغ از مسلم)

۳- حاکمیت جمہور (DEMOCRACY) یہ لفظ دو یونانی لفظوں سے مرکب ہے DEMOS جس کے معنی ہیں "لوگ" اور CRATIA جس کے معنی ہیں طاقت و قوت اس طرح اس کے معنی بنتے ہیں "لوگوں کی حکومت" یا "حاکمیت جمہور" یعنی جس میں عملاً اختیار اور اقتدار عام لوگوں یا جمہور کو حاصل ہو۔ اس کی سب سے جامع تعریف وہ

کہی جاتی ہے جو ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر ابراہام لنکن نے کی تھی۔

GOVERNMENT OF THE PEOPLE, BY THE PEOPLE," FOR THE PEOPLE"

یعنی لوگوں کی حکومت، لوگوں کے ذریعے، لوگوں کے اوپر۔

یہ اصول ابتداءً بادشاہوں اور جاگیرداروں کے اقتدار کی گرفت توڑنے کے لیے وجود میں آیا تھا لیکن دوسری انتہا پر پہنچ کر یہ شکل اختیار کر گیا کہ ہر بالاتر قوت اور اخلاق اصول سے بے نیاز ہو گیا اور خود ہی مختار کل بن گیا نتیجہ یہ نکلا کہ اپنی خواہشوں کے چلن ہوئے اور اپنی خواہشات ہی اصول ان پر حاکم ہو گئیں جسے پابند کرنے والی کوئی چیز نہیں رہ گئی گویا یہ اصول ہو گیا کہ جو قومی خواہش سے طے ہو وہ برحق ہے اور جسے قوم رد کر دے وہ باطل ہے۔

سیاسی نظام کی بنیادیں — ایک جائزہ

یہ تینوں چیزیں فاسد ہیں اور اسلامی نظام سے ٹکراتی ہیں آگے بڑھنے سے پہلے ان پر تنقیدی نظر ڈال لینا انتہائی ضروری ہے۔

لادینیت SECULARISM تو اس میں اور الحاد میں کوئی جوہری فرق نہیں ہے چنانچہ مسلمان ہی نہیں بعض غیر مسلم بھی اسے الحاد کے ہم معنی قرار دیتے ہیں مثلاً ایم، آر مسانی۔ ان کا خیال ہے کہ صرف کمیونسٹ ممالک ہی سیکولر رہ سکتے ہیں۔

(دیکھئے تقریر منعقدہ حسن آف انڈیا ۱۸ مئی ۱۹۶۸ء)

اس کا جائزہ لیتے ہوئے ایک جگہ مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں۔

"سیکولرازم ایک مہمل نظریہ ہے جسے عقل و خرد سے کوئی سروکار نہیں، ظاہر بات ہے کہ خدا اور انسان کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہو سکتا یا خدا انسان کا اور اس ساری کائنات کا جس میں انسان رہتا ہے خالق اور مالک اور حاکم ہے یا نہیں ہے اگر وہ خالق ہے نہ مالک اور نہ حاکم تب تو اس کے ساتھ پرائیویٹ تعلق کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے نہایت لغو بات ہے کہ ایک غیر متعلق ہستی کی خواہ مخواہ پرستش کی جائے

جس کا ہم سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے اور اگر وہ فی الواقع ہمارا اور اس تمام جہان ہست و بود کا خالق، مالک اور حاکم ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ اس کی عملداری صرف ایک ایک شخص کی پرائیویٹ زندگی تک محدود ہو اور جہاں سے ایک اور ایک مل کر دو آدمیوں کا اجتماعی تعلق شروع ہوتا ہے وہیں سے اس کے اختیارات ختم ہو جائیں یہ حد بندی اگر خدا نے خود کی ہے تو اس کی کوئی سند ہونی چاہیے اور اگر اپنی اجتماعی زندگی میں انسان نے خدا سے بے نیاز ہو کر خود ہی خودمختاری اختیار کی ہے تو یہ اپنے خالق اور مالک اور حاکم سے اس کی کھلی بغاوت ہے اس بغاوت کے ساتھ یہ دعویٰ کہ ہم اپنی انفرادی زندگی میں خدا کو اور اس کے دین کو مانتے ہیں صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کی عقل ماری گئی ہو اس سے زیادہ لغو بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک ایک شخص فرداً فرداً تو خدا کا بندہ ہو مگر یہ الگ الگ بندے جب مل کر معاشرہ بنائیں تو بندے نہ رہیں اور یعنی ہر ایک بندہ اور اجزاء کا مجموعہ غیر بندہ ہو یہ ایک ایسی بات ہے جس کا تصور صرف ایک پاگل ہی کر سکتا ہے۔ پھر یہ بات کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر ہمیں خدا کی اور اس کی رہنمائی کی ضرورت نہ اپنی خانگی معاشرت میں ہے، نہ محلے اور شہر میں، نہ مدرسے اور کالج میں، نہ منڈی اور بازار میں، نہ پارلیمنٹ اور گورنمنٹ ہاؤس میں، نہ ہائی کورٹ اور نہ سول سیکرٹیریٹ میں، نہ چھاؤنی اور پولیس لائن میں اور نہ میدان جنگ اور صلح کانفرنس میں، تو آخر اس کی ضرورت ہے کہاں؟ کیوں ایسے خدا کو مانا جائے اور کیوں اس کی خواہ مخواہ پوجا پاٹ کی جائے جو یا تو اتنا بیکار ہے کہ زندگی کے کسی معاملے میں بھی ہماری رہنمائی نہیں کرتا یا معاذ اللہ ایسا نادان ہے کہ کسی معاملے میں بھی اس کی ہدایت ہمیں معقول اور قابل عمل نظر نہیں آتی" (اسلامی نظام اور مغربی لادینی جمہوریت از مودودیؒ ص۱۵-۱۶)

اب قوم پرستی تو اس کی شناعت کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں۔

"قوم پرستی کی کوئی حقیقت اس کے سوا نہیں ہے کہ یہ قومی خود پرستی کا دوسرا نام ہے اگر ایک سوسائٹی کے اندر اس شخص کا وجود ایک لعنت ہے جو اپنے نفس اور اپنی غرض کا بندہ ہو اور اپنے مفاد کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہو مگر ایک

بستی کے اندر وہ خاندان ایک لعنت ہے جس کے افراد اپنے خاندانی مفاد کے اندھے پرستار ہوں اور جائز و ناجائز تمام ذرائع سے بس اپنا بھلا کرنے پر تلے ہوئے ہوں، اگر ایک ملک کے اندر وہ طبقہ ایک لعنت ہے جو اپنی طبقاتی خود غرضی میں اندھا ہو رہا ہو اور دوسروں کے بھلے برے کی پرواہ کئے بغیر صرف اپنے فائدے کے پیچھے پڑ جائے (مثلاً بلیک مارکٹنگ کرنے والے) تو آخر انسانیت کے وسیع دائرے میں وہ خود غرض قوم ایک لعنت کیوں نہیں ہے جو اپنے قومی مفاد کو اپنا خدا بنالے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے اس کی پوجا کرنے لگے۔"

(اسلامی نظام اور مغربی لادینی جمہوریت از مودودیؒ ص ۱۸-۱۹)

اگر اس کی عملی تصویر دیکھنی ہو تو نازی جرمنی اور ہندوستان کی برہمنیت کی تاریخ کا مطالعہ کریں۔

رہی حاکمیت جمہور تو یہ سراسر فراڈ ہے۔ خدا کا انکار کرنے کے بعد جب "اقتدار اعلیٰ" کی گتھی نہیں سلجھی تو لوگوں کو بہلانے کیلئے "ارادۂ اجتماعی" کو وہ مقام دے دیا جو "اقتدار اعلیٰ" یا بالفاظ دیگر "خدا" کا ہے جس نے ترقی کرکے حاکمیت جمہور کا جامہ پہن لیا لیکن عقل اس تصوری کو کسی طرح تسلیم نہیں کرتی کہ پیدا کرنے والا اور پالنے والا تو کوئی اور ہو اور قانون و حکم کسی اور کا چلے پھر یہ کہ کمزور و ناتواں انسان جو جاہل و ظالم بھی ہے وہ بھلا کیسے حکمرانی کر سکتا ہے۔ یہ صریح واقعہ کے خلاف ہے اور سراسر دھوکہ ہے۔ مزید یہ کہ اب یہ نسخہ غیر آزمودہ بھی نہ رہا مختلف مقامات پر اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے اور اس کے کڑوے کسیلے پھل سے انسانیت بیزار ہو چکی ہے۔ لیکن ہم اتنے نادان ہیں جسے دنیا چاٹ کر تھوک چکی ہے ہم اسے اپنے لئے نسخہ کیمیا سمجھ بیٹھے ہیں اس سے زیادہ گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے۔

سیاسی نظام کی حیثیت

یہ فاسد بنیادیں اور اس کی قباحتیں ایسی ہیں کہ اس کی وجہ سے ہمارے ملک کا نظام باطل قرار پاتا ہے گرچہ اس کے بعض اجزاء انتہائی عمدہ ہیں کیونکہ فیصلہ بنیاد کو دیکھ کر کیا جاتا ہے نہ کہ اجزاء کو دیکھ کر۔ بنیادی بات یہ ہے کہ وہ نظام جو خدا کا وفادار ہو تفصیلات میں

غلط ہونے کے باوجود وہ نظام حق ہے اور اطاعت کا مستحق ہے اور جو اس بنیادی بات کو نہ مانتا ہو، اللہ کی حاکمیت کا انکار کرتا ہو، اللہ کو قانون ساز تسلیم نہ کرتا ہو تو وہ نظام باطل ہے۔ کسی ملک میں اسلامی نظام ہے لیکن بعض قوانین غیر اسلامی ہیں تو وہ ان قوانین کی وجہ سے غیر اسلامی نہیں کہلائے گا مثلاً خلفاء ہیں بہت سے ان میں انتہائی غلط کار اور مشہور ہیں نے خلافت کو اپنے مفاد کے لئے استعمال کیا لیکن مسلمانوں نے ان کو بھی خلیفہ مانا صرف ان معنوں میں کہ ان کے یہاں یہ بات مسلم تھی کہ قانون سازی خدا کا حق ہے اور شریعت کا قانون ان کی عدالتوں میں عملاً نافذ تھا۔

تحریک اسلامی کا کردار

اب جیسا کہ پچھلی گفتگو سے واضح ہو گیا کہ ہمارا نظام باطل ہے، سراسر فاسد اصولوں پر قائم ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم جو اسلام کے نام لیوا ہیں اور اس کی اشاعت و اقامت کے لئے کوشاں ہیں ہمیں اس سلسلے میں کیا رویہ اپنانے کی ضرورت ہے؟

اس سلسلے میں سب سے پہلا کام تو یہ ہونا چاہئے کہ ہم خود بھی اس نظام کے فساد سے پورے طور پر آگاہ ہوں اور تمام لوگوں کو اس کے فساد اور بھیانک انجام سے باخبر کریں۔ اس ضمن میں بھارت کے آئین کا بہت باریک بینی کے ساتھ جائزہ لئے جانے کی بھی ضرورت ہے جس کیلئے کچھ افراد کو یکسو ہو کر کام کرنا چاہئے۔ بدقسمتی سے اب تحریک اسلامی کے حلقوں میں بھی اس کے فساد کو اس شدت کے ساتھ محسوس نہیں کیا جا رہا ہے جس قدر کہ سمجھنا چاہئے تھا حالانکہ آغاز کار میں یہی چیز سب سے زیادہ ابھری ہوئی تھی۔

دوسرا کام یہ ہے کہ ہم اس فساد کو دور کرنے کی کوشش کریں اور اس کا متبادل فراہم کریں کیونکہ اصلاً تحریک اسلامی کا یہی بنیادی کام ہے۔ جہاں تک ان کے متبادل کا سوال ہے تو اسلام پورے طور پر اس کے لئے کافی ہے اور ان فاسد اصولوں کے مقابلے میں ایسے صالح اصول رکھتا ہے جو نقصانات سے بچاتا ہے اور ترقی کے بام عروج پر پہنچا دیتا ہے مختصر لفظوں میں وہ یوں بیان کئے جا سکتے ہیں۔

دہریت کے مقابلے میں خدا کی بندگی اور اطاعت۔

قوم پرستی کے مقابلے میں انسانیت

جمہور کی حاکمیت کے مقابلے میں خدا کی حاکمیت اور جمہور کی خلافت

یہ اصول کیسے صالح ہیں اور مفید ہیں یہ ایک لمبی بحث ہے لیکن اپنانے کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ دنیا اس کا تجربہ کر چکی ہے اور اس کے اچھے ثمرات سے لطف اندوز ہو چکی ہے اب تحریک اسلامی سے وابستہ افراد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان صالح اصولوں سے لوگوں کو متعارف کرائیں اور انہیں اپنانے کی دعوت دیں یقیناً یہی آواز تحریک اسلامی کی اصل آواز ہے لیکن افسوس کی مدھم پڑتی جا رہی ہے اسے تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہمیں اپنی آواز بلند کئے ہوئے تقریباً پچاس سال سے زیادہ ہو گئے ہیں لیکن جس قدر لوگوں تک ہمیں اپنا یہ پیغام پہونچانا چاہیئے تھا ہم نہیں پہنچا سکے ہیں۔

یہاں ایک سوال البتہ باقی رہ جاتا ہے کہ جب تک یہ نظام قائم ہے اور ہمارا مطلوب اسلامی نظام برپا نہیں ہو جاتا اس وقت تک اس نظام سے ہمارے تعلق کی نوعیت کیا ہونی چاہیئے۔

اس سلسلے میں مجھ ناچیز کے بجائے بانی تحریک اسلامی کی بات زیادہ معتبر اور موثر ہو سکتی ہے اس لئے ان کے پیغام کو نقل کرنا ہی مناسب معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں۔

"جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان سے صاف صاف کہتا ہوں کہ موجودہ زمانے کی بے دین قومی جمہوریت تمہارے دین و ایمان کے قطعاً خلاف ہے تم اس کے آگے سر تسلیم خم کرو گے تو قرآن سے پیٹھ پھیرو گے، اس کے قیام و بقا میں حصہ لو گے تو اپنے رسول سے غداری کرو گے اور اس کا جھنڈا اڑانے کے لئے اٹھو گے تو اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرو گے۔ جس اسلام کے نام پر تم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہو اس کی روح اس ناپاک نظام کی روح سے، اس کے بنیادی اصول اس کے بنیادی اصولوں سے اور اس کا ہر جز اس کے ہر جز سے برسر جنگ ہے اسلام

اور یہ نظام ایک دوسرے سے کہیں بھی مصالحت نہیں کرتے۔ جہاں یہ نظام برسر اقتدار ہوگا وہاں اسلام نقش بر آب ہوگا اور جہاں اسلام برسر اقتدار ہوگا وہاں اس نظام کیلئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔ تم اگر واقعی اسی اسلام پر ایمان رکھتے ہو جسے قرآن اور محمدؐ لائے تھے تو تمہارا فرض ہے کہ جہاں بھی تم ہو اس قوم پرستانہ لادینی جمہوریت کی مزاحمت کرو اور اس کے مقابلے میں خدا پرستانہ انسانی خلافت قائم کرنے کیلئے جد و جہد کرو"

(اسلامی نظام اور مغربی لادینی جمہوریت از مودودیؒ صفحہ ۳۶-۳۷)

رہا اس طرح کے نظام میں اس کے مجالس قانون ساز وغیرہ کی رکنیت اختیار کرنے کا مسئلہ تو اس سلسلے میں ایک سوال (کیا مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہوتے کے اسمبلی کی ممبری جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟) کا جواب دیتے ہوئے مولانا مودودیؒ نے فرمایا تھا۔

"اسمبلی کے متعلق یہ سمجھ لیجئے کہ موجودہ زمانہ میں جتنے جمہوری نظام بنے ہیں (جن کی ایک شاخ ہندوستان کی موجودہ اسمبلیاں بھی ہیں) وہ اس مفروضے پر مبنی ہیں کہ باشندگان ملک اپنے معاملات کے متعلق خود تمدن، سیاست، معیشت، اخلاق اور معاشرت کے اصول وضع کرنے اور ان کے مطابق تفصیلی قوانین بنانے کا حق رکھتے ہیں اور اس قانون سازی کیلئے رائے عامہ سے بالاتر کسی سند کی ضرورت نہیں ہے یہ نظریہ اسلام کے نظریے سے بالکل برعکس ہے اسلام میں توحید کے عقیدے کا لازمی جز یہ ہے کہ لوگوں کا اور تمام دنیا کا مالک اور فرماں روا اللہ تعالیٰ ہے ہدایت اور حکم دینا اس کا کام ہے اور لوگوں کا کام یہ ہے کہ اس کی ہدایت اور اس کے حکم سے اپنے لئے قانون زندگی اخذ کریں نیز اگر اپنی آزادی رائے استعمال کریں بھی تو ان حدود کے اندر کریں جن حدود میں خود اللہ تعالیٰ نے ان کو آزادی دی ہے اس نظریئے کی رو سے قانون کا ماخذ اور تمام معاملات زندگی میں مرجع اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت قرار پاتی ہے اور اس نظریہ سے ہٹ کر اول الذکر جمہوری نظریئے کو قبول کرنا گویا عقیدہ توحید سے منحرف ہو جانا ہے اسی لئے ہم نے

ہیں کہ جو اسمبلیاں یا پارلیمنٹیں موجودہ زمانے کے جمہوری اصول پر مبنی ہیں ان کی رکنیت حرام ہے کیونکہ ووٹ دینے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہم اپنی رائے سے کسی ایسے شخص کو منتخب کرتے ہیں جس کا کام موجودہ دستور کے تحت وہ قانون سازی کرنا ہے جو عقیدہ توحید کے سراسر منافی ہے۔ اگر علمائے کرام میں سے کوئی صاحب اس چیز کو جائز اور حلال سمجھتے ہیں تو ان سے اس کی دلیل دریافت کیجئے۔

اس قسم کے معاملات میں یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ چونکہ یہ نظام مسلط ہو چکا ہے اور زندگی کے سارے معاملات اسی سے متعلق ہیں اس لئے اگر ہم انتخابات میں حصہ نہ لیں اور نظام حکومت میں شریک ہونے کی کوشش نہ کریں تو ہمیں فلاں فلاں نقصانات پہنچ جائیں گے ایسے دلائل سے کسی ایسی چیز کو جو اصولاً حرام ہو حلال ثابت نہیں کیا جا سکتا ورنہ شریعت کی کوئی حرام چیز ایسی نہ رہ جائے گی جسکو مصلحتوں اور ضرورتوں کی بنا پر حلال نہ ٹھہرا لیا جائے۔ اضطرار کی بنا پر حرام چیز کے استعمال کرنے کی اجازت شریعت میں پائی تو جاتی ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ خود اپنی غفلتوں سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے اضطرار کی حالت پیدا کریں پھر اسی اضطرار کو دلیل بنا کر تمام محرمات کو اپنے لئے حلال کرتے جائیں اور اس اضطرار کی حالت کو ختم کرنے کیلئے کوئی کوشش نہ کریں جو نظام اس وقت مسلمانوں پر مسلط ہوا ہے جس کے تسلط کو وہ اپنے لئے دلیل اضطرار بنا رہے ہیں وہ آخر انہی کی اپنی غفلتوں کا تو نتیجہ ہے پھر اب بجائے اس کے کہ اپنا سرمایہ قوت و عمل اس نظام کو بدلنے اور خالص اسلامی نظام قائم کرنے کی سعی میں صرف کریں وہ اسی اضطرار کو حجت بنا کر اسی نظام کے اندر حصہ دار بننے اور پھلنے پھولنے کی کوشش کر رہے ہیں"۔

(تحریک آزادی ہند اور مسلمان از مودودیؒ ج ۲ صفحہ ۲۲۳ تا صفحہ ۲۲۵)

بعض حلقوں سے یہ اندیشہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ اگر اسی طرح مسلمان بالکل الگ تھلگ رہیں تو ان کے قومی مفاد کو نقصان پہنچے گا تو اس قسم کے اشکال کی بھی کوئی معقولیت نہیں جیسا کہ مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں۔

"یہ اندیشہ اکثر پیش کیا جاتا ہے کہ اگر ہم اسمبلیوں سے باہر رہے تو یہ غیر مسلم قابض ہو کر نظام حکومت کے تنہا مالک و متصرف بن جائیں گے اور اگر نظام باطل کے کل پرزے ہم نہ بنیں تو دوسرے بن جائیں گے اور اس طرح زندگی کے سارے شعبوں پر قابض ہو کر وہ ہماری ہستی ہی ختم کر دیں گے حتی کہ اسلام کا نام لینے والے باقی ہی نہ رہیں گے کہ تم ان سے خطاب کر سکو لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ اندیشے جتنے ہولناک ہیں اس سے زیادہ خام خیالی کے نمونے ہیں اگر ہم نے یہ کہا ہوتا کہ صرف ایک منفی یا سلبی اقدام کر کے مسلمان زندگی کا سارا کاروبار چھوڑ دیں اور گوشوں میں جا بیٹھیں تو یہ اندیشے ضرور کسی حقیقت پر مبنی ہوتے لیکن ہم نفی کے ساتھ ایک اثبات بھی تو پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اس نظام کے ساتھ سازگاری کرنے کے بجائے دنیا میں نظام حق قائم کرنے کیلئے منظم سعی کریں اور دوسری قوموں کے ساتھ اپنے دنیوی مفاد کے لئے کشمکش اور مزاحمت کرنے کے بجائے ان کے سامنے وہ دین حق پیش کریں جس کی پیروی میں تمام انسانوں کی فلاح ہے اور قرآن کے ذریعے سے، سیرت رسول کے ذریعہ سے اور اخلاق اسلامی کے ذریعے سے دنیا میں فکری، اخلاقی، معاشی اور تمدنی اور سیاسی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں"۔

(تحریک آزادی ہند اور مسلمان از مودودیؒ ج ۲ صفحہ ۲۳۰ تا ۲۳۱)

جہاں تک موجودہ نظام کے تحت ملازمت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہ واضح رہے کہ بعض شعبوں میں یہ درست ہے اور بعض میں حرام کیونکہ نظم حکومت کے بعض اجزاء فی نفسہ نہ اسلامی ہوتے ہیں نہ غیر اسلامی بلکہ ہر نظام کے تحت یکساں رہتے ہیں مثلاً پوسٹ آفس، ریلوے وغیرہ تو ان کی ملازمت جائز ہوگی البتہ بعض شعبے فی نفسہ غیر اسلامی ہوتے ہیں جیسے بینکنگ، شراب کے کارخانے وغیرہ اسی طرح بعض غلط نظام کے تحت چلنے کی وجہ سے غلط اور غیر اسلامی ہو جاتے ہیں جیسے مقننہ، عدلیہ انتظامیہ وغیرہ چنانچہ جو فی نفسہ حرام ہیں یا باطل نظام کا بنیادی جزء ہونے کی وجہ سے غلط ہیں ان شعبوں میں ملازمت درست نہیں ہوگی یہ صرف مولانا مودودیؒ کی رائے نہیں ہے بلکہ مولانا اشرف علی

شاہدی کی بھی یہی رائے ہے۔

تعلیمی نظام پر ایک نظر

ہمارے ملک کا تعلیمی نظام بھی سیاسی نظام کی طرح مغرب سے مستعار ہے اور اس کے اندر بھی وہ ساری خامیاں پائی جاتی ہیں جو ہمارے سیاسی نظام میں ہیں، دین و دنیا کی تفریق، سرچشمہ علم (وحی الٰہی) سے بے نیازی، مفاد پرستی، تعمیر سیرت و کردار سے غفلت وغیرہ
عملی نقطہ نظر سے بھی بعض غلط چیزیں اس میں گھسا دی گئی ہیں مثلاً۔

۱۔ مادری زبان کے بجائے دوسری زبان میں تعلیم دینا۔
۲۔ مخلوط تعلیم دینا۔
۳۔ نصاب کا تضادات سے بھرا ہونا۔
۴۔ تعلیم کو پیشہ وارانہ چیز بنا دینا۔

موجودہ نظام تعلیم کے تناظر میں یہ بات بھی جاننا انتہائی ضروری ہے کہ جب بنایا گیا تھا اس وقت اس کا خاص نشانہ مسلمان تھے یعنی یہ کہ اسلامی نظام تعلیم کو کسی طرح ختم کر دیا جائے اور مسلمانوں کو ایسی تعلیم کے حصول پر مجبور کیا جائے کہ وہ پیٹ کے بندے بن جائیں، مغربی افکار و تہذیب کو قبول کریں اور ارتداد کی راہ پر لگ جائیں چنانچہ اس نظام کے بانی مبانی لارڈ میکالے کی ابتدائی تعلیمی رپورٹ کے حوالے سے اس کے اہم نکات کو بیان کرتے ہوئے پروفیسر محمد سلیم صاحب لکھتے ہیں۔

"۱۔ کمپنی کی حکومت کا واضح مقصد انگریزی زبان اور مغربی علوم کو ہندوستان میں رائج کرنا ہے تاکہ یہاں کے لوگ مغربی تہذیب اور مغربی مذہب کو قبول کر لیں۔
۲۔ دوسرے درجہ میں انگریزی زبان جاننے والے ایسے منشیوں اور کلرکوں کی کھیپ تیار کرنا ہے جو حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ کا کام دے سکیں۔
۳۔ جب تک ایسے کلرکوں کی ایک معقول تعداد تیار نہیں ہو جاتی اس وقت تک مسلمانوں کے نظام تعلیم کو بدرجہ مجبوری گوارا کرنا تاکہ کاروبار حکومت میں خلل واقع نہ ہو۔
۴۔ اسلامی نظام تعلیم کو بہر حال ختم کرنا ہے فارسی زبان کی بالادستی اور ہمہ گیریت

کو ختم کرنا ہے، رابطہ عوام کیلئے مقامی زبانوں کو فروغ دینا ہے فارسی کی جگہ انگریزی کو ہندوستان کی سرکاری زبان بنانا ہے۔"

(مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت از محمد سلیم صفحہ ۲۰۰-۲۰۲)

چنانچہ جب وہ اس سازش میں کامیاب ہوئے تو ولیم ہنٹر نے ان الفاظ میں اپنی کتاب OUR INDIAN MUSLIMS میں اظہار خیال کیا۔

"جب اس جدید تعلیم سے ایک نئی نسل تربیت پا کر تیار ہو گئی تو ہم نے اسلامی نظام تعلیم کو دور پھینک دیا اب مسلم نوجوان زندگی کے تمام راستے اپنے سامنے مسدود پاتا ہے۔" ص ۱۵۲

اسی حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم — ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

تحریک اسلامی کا کردار

اس میدان میں بھی تحریک اسلامی کی اب تک کی کوششیں اطمینان بخش نہیں کہی جا سکتیں سب سے پہلا کام تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ اس نظام کا انتہائی باریک بینی کے ساتھ اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لیا جاتا، کچھ کوششیں گرچہ دینی تعلیمی کونسل یوپی کی طرف سے اور انفرادی طور پر کی گئیں ہیں لیکن وہ بھی کافی نہیں ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری ایک ٹیم اس سلسلے میں یکسو ہو کر کام کرے تاکہ خود بھی اصلاح حال کیلئے راہ ہموار ہو اور دوسروں کو بھی اس کے مضرات سے تفصیل کے ساتھ آگاہ کیا جا سکے۔

دوسرا کام یہ ہونا چاہئے تھا کہ اس کا متبادل فراہم کیا جاتا لیکن اس میں بھی بجا طور پر کوشش قابل قدر حد تک نہیں پہونچ سکی کچھ کوششیں ضرور ہوئی ہیں لیکن ابھی بہت ناقص ہیں حتی کہ پچاس سال کی طویل مدت میں ہم صرف پرائمری اور ثانوی کے معیار تک کا نصاب ہی تیار کر سکے ہیں وہ بھی ابھی ہر مضمون کے اعتبار سے مکمل نہیں کہا جا سکتا حالانکہ اپنا تعلیمی نظام وضع کرنے اور ادارے قائم کرنے کے حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اب تک مکمل نظام تعلیم وضع کر کے اس میں رنگ بھر دیا جانا چاہئے تھا۔

بقیہ ص ۴۴

امام محمد بن عبد الرحمٰن قنبل مکی

(١٩٥/٢٩١ھ = ٨١٠/٩٠٣ء)

محمد الیاس اعظمی —

نام و نسب محمد نام، ابو عمر کنیت اور سلسلۂ نسب حسب ذیل ہے۔ ابو عمرو محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن خالد بن سعید بن جرجہ مخزومی[1]

نسبت یہ قنبل سے معروف ہیں تذکرہ نگاروں نے اس کے کئی اسباب بتائے ہیں، اول یہ کہ امام محمد بن عبد الرحمٰن مکہ کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جسے قنابلہ کہا جاتا ہے[2] علامہ دانی کا بیان ہے کہ ان کا گھرانہ مکہ میں آج تک قنابلہ کہا جاتا ہے[3] لغت میں قنبل اور قنابل سخت، مضبوط اور شدید القویٰ آدمی کو کہا جاتا ہے جیسا کہ صاحب محکم و قاموس نے لکھا ہے[4]

دوسرے یہ کہ اپنے شاگردوں کی تعلیم میں وہ سختی کا معاملہ کرتے تھے اس لئے قنبل سے مشہور ہوئے، تیسرے یہ کہ ان کا نام ہی قنبل تھا چوتھے یہ کہ وہ اپنے کسی مرض کے علاج کیلئے ایک ایسی دوا کا استعمال کرتے تھے جو گائے کو پلائی جاتی تھی اس دوا کا نام قنبیل تھا وہ جب اسے کثرت سے استعمال کرنے لگے تو اسی نام سے مشہور ہو گئے جو بعد میں کثرت استعمال کی وجہ سے قنبل ہو گیا[5]

اس کے علاوہ بھی بہت سی وجہیں بیان کی گئی ہیں، حافظ ابو شامہ نے شرح کبیر میں تفصیل سے انکو بیان کر دیا ہے۔

---

١ علامہ ذہبی، معرفۃ القراء الکبار ١/٢٣٠ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ١٤٠٤ھ/١٩٨٤ء ٢ علامہ ابن الجزری، غایۃ النہایہ فی طبقات القراء ٢/١٦٥، مکتبۃ الخانجی مصر ١٣٥١ھ/١٩٣٢ء ٣ ایضاً ٤ علامہ ابو عمرو دانی، التیسیر ص ٩، مطبعہ مکتبہ تیمیہ ١٣٤٨ھ/١٩٣٠ء

٥ حافظ ابو شامہ، ابراز المعانی ص ٣١۔

٦ معرفۃ القراء ١/٢٣٠۔

ولادت و وطن امام محمد قنبل کی ولادت ١٩٥ھ میں مکہ معظمہ میں ہوئی ان کے شیخ احمد بن محمد بن عون نے مکہ مکرمہ میں ان کے قیام کا انتظام کیا کہا جاتا ہے کہ ان کے والد ایک آزاد کردہ غلام تھے[1]

اساتذہ و شیوخ امام محمد بن عبد الرحمٰن قنبل نے امام احمد بزی اور احمد بن محمد بن عون سے فن قرأت کی تحصیل و تکمیل کی[2]

سلسلۂ قرأت امام محمد قنبلؒ نے قرآن کی تعلیم ابو الحسن احمد بن محمد قواس سے حاصل کی انہوں نے ابو الاخریط وہب بن واضح سے اور ابو الاخریط نے اسماعیل قسط سے اور قسط نے شبل بن عباد سے تعلیم حاصل کی شبل بن عباد علامہ ابن کثیر کے حلقہ فیض سے مستفید ہوئے تھے اس طرح روایت قنبل چار واسطوں سے امام ابن کثیر تک پہونچتی ہے اور اگر ابن کثیر کے واسطوں کو جوڑ دیا جائے تو روایت قنبل سات واسطوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ جاتی ہے۔

فضل و کمال اور علم قرأت میں بلند پایگی امام محمد قنبل علم و فضل کے بلند مقام پر تھے خصوصاً فن قرأت میں انکا مرتبہ بہت بلند ہے، تذکرہ نگاروں نے امام قرأت اور شیخ القراء کے القاب سے نوازا ہے[3] امام احمد بزی کی وفات کے بعد قنبل ہی قرأت کے امام اور حجاز کے رئیس القراء تسلیم کئے گئے، صاحب غایۃ النہایہ کا بیان ہے کہ حجاز میں مشیخت قرأت انہی پر ختم ہو گئی تھی[4]

علامہ ذہبی فرماتے ہیں،

انتهت اليه رياسة الاقراء بالحجاز[5] حجاز کی ریاست قرأت قنبل پر ختم ہو گئی

---

١ ایضاً و غایۃ النہایہ ٢/١٦٥ ٢ ایضاً

٣ غایۃ النہایہ ٢/١٦٥—١٦٦

٤ ایضاً

٥ معرفۃ القراء ١/٢٣٠

علامہ ذہبی نے قاری محمد اور خیرالدین زرکلی نے اعلام القراء اور متقن لکھا ہے، نیز فرماتے ہیں۔

انتهت اليه مشيخة الاقراء بالحجاز في عصره[1] — انہی پر انکے زمانہ میں مشیخت قرات ختم ہوتی تھی

امام قنبلؒ نے ایک طویل مدت تک درس قرآن دیا آخر عمر میں بہت ضعیف ہوگئے تھے وفات سے سات سال پہلے درس و تدریس سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی[2]

سیرت و کردار امام محمد قنبل عمدہ اخلاق اور اچھی عادت و اطوار کے مالک اور متقی تھے صاحب غایۃ النہایہ نے انکی سیرت و کردار کی تعریف کی ہے[3]

تعلقات امام محمد قنبل کے اپنے عہد کے صاحب علم و فضل اور ائمہ علم و فن سے بڑے اچھے تعلقات تھے انکے علم و فضل کی شہرت کیوجہ سے دوسرے اصحاب صلاح و تقوی دور دور سے ان سے ملنے آتے تھے ان کے تبحر علمی کی بنا پر لوگ ان سے ربط و تعلق پیدا کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے، ابو عبداللہ وقاص فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ انکی درمیانی عمر میں تھا[4]

تلامذہ امام محمد قنبل کے پاس ایک جم غفیر اپنی علمی تشنگی بجھانے آتا تھا، علامہ ذہبی رقمطراز ہیں۔

ورحل اليه القراء وحملوا عنه[5] — اور قراء انکے پاس آکر استفادہ کرتے

انکے چند تلامذہ کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

ابوبکر بن مجاہد، ابوالحسن بن شنبوذ، محمد بن عیسیٰ جصاص، ابراہیم بن عبدالرزاق (یہ بہت کم مدت انکی خدمت میں رہے باقاعدہ شاگردی اختیار نہیں کی) ابوبکر محمد بن

---

[1] الاعلام ۱۹۰/۶ [2] معرفۃ القراء ۲۳۰/۱ و علامہ ذہبی العبر فی خبر ۸۹/۲ و دائرۃ المطبوعات والنشر کویت ۱۹۶۰ء

[3] غایۃ النہایہ ۱۶۶/۲ و معرفۃ القراء ۲۳۰/۱

[4] ایضا الاعلام ۱۹۰/۶ [5] العبر فی خبر من غبر ۸۹/۲

موسیٰ زینبی، محمد بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن صباح، احمد بن محمد بن اسحاق، اسحاق بن احمد خزاعی، محمد بن حمدون، عباس بن فضل، عبیداللہ سیر، احمد بن محمد بن ہارون بن بقرہ، احمد بن موسیٰ بن مجاہد، محمد بن احمد بن شنبوذ، عبداللہ بن احمد بلخی، احمد بن صقر بن ثوبان، احمد بن محمد بن یقطینی، علی بن حسین بن رقی، عبداللہ بن عمرو بن شنبوذ، ابوبکر محمد بن عابد عطار، عبداللہ بن ثوبان، جعفر بن عبدالسلام زینبی، عبداللہ بن حمدون، عبداللہ بن جبیر، احمد بن عمرو بن عون، نظیف بن عبداللہ الکسروی[1]

راوی قرات دوسرے قراء کرام کی طرح، امام محمد قنبل کی قرات کے بھی ایک راوی ہیں جن کا مختصر تعارف یہ ہے۔

ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عباس بن مجاہد، یہ ابن مجاہد سے مشہور ہیں ۲۴۵ھ میں پیدا ہوئے قرات میں اس قدر مہارت و صلاحیت پیدا کی کہ اس فن کے امام کہلائے، علامہ دانی فرماتے ہیں کہ "علم و فضل اور فہم و ادراک میں تمام معاصرین سے فائق و برتر تھے" امام النحو ثعلب کا بیان ہے کہ "ہمارے زمانہ میں کتاب اللہ کا ابن مجاہد سے بڑا کوئی عالم نہیں" ۲۰/شعبان ۳۲۴ھ میں وفات پائی۔

ملازمت امام محمد قنبل نے کچھ عرصہ محکمہ پولیس میں ملازمت بھی کی، علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ قنبل نے اپنی عمر کی درمیانی مدت میں شرطہ (پولیس) کے فرائض کی انجام دہی بھی قبول کرلی تھی[2] خیرالدین زرکلی نے بھی ولی الشرطہ بمکۃ لکھا ہے[3]

وفات امام محمد قنبل نے ۲۹۱ھ میں بعمر ۹۶ سال مکہ مکرمہ میں وفات پائی[4]

---

[1] غایۃ النہایہ ۱۶۵/۲ - ۱۶۶ و معرفۃ القراء ۲۳۰/۱

[2] غایۃ النہایہ ۱۶۵/۲ - ۱۶۶ و معرفۃ القراء ۲۳۰/۱

[3] الاعلام ۱۹۰/۶

[4] معرفۃ القراء ۲۳۰/۱ و غایۃ النہایہ ۱۶۶/۲

آہ! محمد صلاح الدین رح

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی
شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

کراچی میں جاری تشدد اور قتل و غارت گری نے پہلی دسمبر کو میرے نوجوان اور وفا شعار دوست صبیحی کو لقمہ تر بنا لیا۔ میں اسی درد و کرب میں مبتلا تھا کہ آج پانچ دسمبر ۱۹۹۴ء کو جناب ڈاکٹر اشتیاق احمد ظلی صاحب نے بتایا کہ بی بی سی کے مطابق کل ظالموں اور درندوں اور انسانیت کے دشمنوں نے عالم اسلام کے مشہور اور صف اول کے صحافی مدیر تکبیر جناب محمد صلاح الدین صاحب کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ یہ سنتے ہی مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ چند لمحے بعد میں نے ڈاکٹر ظلی صاحب سے کہا کہ پاکستانی کتنے چھوٹے ہیں کہ اتنے اتنے عظیم لوگوں کی اتنی آسانی سے جانیں لے لیتے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب کا جواب کتنا پر مغز ہے کہ "کچھ بھی چھوٹوں کی جان لیتے ہیں، بڑے کبھی انسانوں کی جان نہیں لیتے۔" یہ سچ ہے کہ محمد صلاح الدین صاحب بہت عظیم تھے۔ میری ان سے بیسوں ملاقاتیں ہوں گی۔ مجھے وہ ہر پہلو سے بڑے اور صاحب عظمت لگے۔ وہ اپنی طرز گفتگو، مزاج، رہن سہن، لباس اور اسلوب تحریر سب میں بڑے تھے۔

محمد صلاح الدین صاحب کا جانا برحق تھا لیکن اس وقت آپ کی موت سے عالم اسلام کی صحافت میں ایک بہت بڑا خلا ہو گیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اسلامی صحافت کے ایک نہیں کئی ستون ڈھ گئے ہیں۔ صلاح الدین صاحب نہایت دیانت دار اور نڈر صحافی تھے۔ اپنی اسی حق گوئی اور راست گوئی کی بنا پر انہیں بھٹو دور حکومت میں بار بار جیل جانا پڑا۔ وہ جسے حق سمجھتے اس پر اٹل اور ثابت قدم رہتے، چنانچہ اپنی اسی ثابت قدمی کے نتیجہ میں انہیں جماعت سے علیحدگی حاصل کرنی پڑی۔ جناب جنرل ضیاء الحق مرحوم کے بھی وہ قریب تھے لیکن ان کی غلط پالیسیوں پر خوب کھل کر اظہار خیال کیا کرتے۔

ہفت روزہ تکبیر کے قارئین کو معلوم ہوگا کہ وہ اپنے رسالہ میں مستقل پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کے خلاف لکھتے رہے اور انہیں ملک کے لئے مہلک عناصر کی حیثیت سے پیش کرتے رہے۔ ان لوگوں کی بہت دنوں سے یہ کوشش چل رہی تھی کہ اس نعرۂ تکبیر بلند

کرنے والے کو خاموش کر دیا جائے۔ چنانچہ اپنے ناپاک ارادے کی تکمیل کے لئے انہوں نے ایک بار ان کا گھر جلایا لیکن اللہ نے انہیں بچا لیا۔ اسی طرح ایک بار ان کے آفس کو نشانہ بنایا لیکن وہاں بھی وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے صلاح الدین صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون تھے؟ اور کیوں آئے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ پیپلز پارٹی کے باتھ دہشت گرد تھے، چونکہ میرے پاس بے نظیر سے متعلق کچھ ایسے ریکارڈز ہیں جن سے انہیں خدشہ لگا رہتا ہے۔ اسے وہ حاصل کرنا چاہ رہی تھیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ وہ اسے نہ لے جا سکے۔

اس بار جون میں صلاح الدین صاحب سے تقریباً آٹھ دس ملاقاتیں رہیں۔

میں جب جب ان کے آفس میں جاتا وہ اپنی کرسی سے اٹھ جاتے اور نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ تقریباً ہر بار ان سے دو گھنٹے کی ملاقات رہتی۔ ظہر کی نماز انہیں کے ساتھ انہیں کی امامت میں ادا کرتا۔ نماز ظہر کے بعد وہ چند احادیث پڑھ کر نمازیوں کو سناتے۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا کھاتے۔ اس بار مجھے بھی اپنے ساتھ کھانے پر لے گئے۔ بار بار اپنے ہاتھوں سے میری پلیٹ میں کچھ نہ کچھ ڈالتے گئے۔ یہ سب سوچتا ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔ ایک بار اپنے بیٹے کو ان کے آفس میں لے گیا تو وہ اس سے بار بار باتیں کرتے رہے، اور بسکٹ منگوا کر اسے دیا۔ یہ سب آج آنکھوں کے سامنے ہے لیکن بلند کردار اور صاحب فضل شخص ہم لوگوں کو الوداع کہہ چکا ہے۔

ایک بار میں نے جناب صلاح الدین صاحب سے کہا کہ یہ مردہ سپاہی کی طرح وہ بندوق کس کام کی؟ انہوں نے کہا کہ جان دینے والا اور جان لینے والا اللہ ہے، اگر وہ زندہ رکھنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں مار سکتی۔ میں نے کہا کہ تقریباً تمام سیاسی جماعتیں آپ سے برہم ہیں اور وہ کسی وقت کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ انہوں نے بڑے اعتماد اور اطمینان سے کہا کہ اللہ سب سے بڑا محافظ ہے۔ واقعتہً یہ سچ ہے کہ انہیں اپنے مولا پر پورا یقین تھا اور اسی کے بل پر وہ کراچی جیسے شہر میں بیٹھ کر ایم کیو ایم

کی سازشوں کا پردہ فاش کرنے میں کوئی خوف محسوس نہیں کرتے تھے۔ ایک بار ان سے انٹرویو کے دوران میں نے سوال کیا کہ آپ نے اپنے رسالہ کا نام "تکبیر" کیوں منتخب کیا، تو انہوں نے بتایا کہ میرا مقصد یہ ہے کہ میں اس کے ذریعہ پورے عالم میں اللہ کی آواز کو پہنچاؤں اور دنیا کے سامنے اللہ کی برتری اور عظمت کا اعلان کروں اور بتاؤں کہ اللہ کے دین کے علاوہ دنیا کے تمام ادیان باطل اور تمام احکامات لغو ہیں۔ انکی تحریروں کے آئینہ میں دیکھا جائے تو یہ سچ ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی حق کی ترجمانی اور اسلام کی مدح خوانی میں صرف کر دی۔ پاکستان میں اسلامی صحافت کو انہوں نے اس قدر مستحکم بنا دیا تھا کہ دوسرے مکتب فکر کے صحافی اس عظمت و شوکت کو تسلیم کرنے لگے۔ پاکستان میں جماعت اسلامی کو جناب صلاح الدین صاحب نے اپنے صحافتی فن اور قلم سے بہت فائدہ پہنچایا۔ اگر کہا جائے کہ جسارت اخبار کو ایک علمی اخبار بنانے میں ان کا بہت بڑا حصہ ہے تو غلط نہ ہوگا۔ وہ جسارت سے الگ ضرور ہو گئے لیکن اپنے رسالہ میں مستقل جماعت اسلامی اور مولانا مودودیؒ سے متعلق چیزوں کو شائع کرتے رہے۔ انہیں مولانا مودودیؒ سے نہایت گہرا لگاؤ تھا۔ انہوں نے بتایا کہ مولانا نے میری تربیت کی ہے۔ ایک بار میں نے صلاح الدین صاحب سے سوال کیا کہ آپ مولانا کا کوئی خاص واقعہ بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ جس وقت میری کتاب "بنیادی حقوق" کے سلسلے میں رسم اجراء کی تقریب ہونے جا رہی تھی تو اس تقریب کی صدارت کے لئے مولانا کا اسم گرامی زیر غور آیا اور یہ طے پایا کہ اس کتاب کا اجراء آپ کے دست مبارک سے عمل میں آئے گا۔ لیکن مولانا کی طبیعت کچھ ایسا خراب ہوئی کہ صاحب فراش ہو گئے۔ اپنی طبیعت کی خرابی کو دیکھتے ہوئے مولانا نے صلاح الدین صاحب کو بلایا اور روتے ہوئے کہا کہ جو کچھ مجھ سے کہا گیا تھا اب میں اس کے لائق تو نہیں رہا لیکن یہ شرف مجھے ضرور حاصل ہے کہ رسم اجراء کی یہ تقریب میرے گھر کے صحن میں منعقد ہو تاکہ اس عظیم کتاب سے متعلق مبصرین کے خیالات و افکار کی آوازیں میرے کانوں تک پہنچ سکیں۔ چنانچہ اس تقریب کا مولانا کی خواہش کے مطابق مولانا کے گھر کے صحن میں آغاز ہوا۔ چند لمحے کے بعد کیا دیکھا جا رہا ہے کہ مولانا دیوار کے سہارے آہستہ آہستہ چل

کی جانب چلے آرہے ہیں۔ مولانا کے اس عمل کو دیکھ کر صلاح الدین صاحب نے کہا کہ میں رونے لگا۔ مولانا نے اس کتاب کو بہت پسند کیا۔ اسی لئے کتاب کے آغاز میں مولانا کی چند سطریں جو شامل ہیں اس میں اس کتاب کی علمی شان کو دیکھتے ہوئے لکھا ہے کہ اس کا دنیا کی بیشتر زبانوں میں ترجمہ ہونا چاہیئے۔

اس کتاب کے باب میں یہ بتا دینا یہاں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے مواد کی فراہمی اور اس کی ترتیب کا کام زیادہ تر جیل کی سلاخوں کے عقب میں عمل میں آیا ہے۔ اس بار جب صلاح الدین صاحب سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے بتایا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ شروع ہو چکا ہے۔ ترجمہ کے چند صفحات دکھائے بھی۔ اس کا عربی ترجمہ ہو چکا ہے۔ اس بار انہوں نے مجھے اپنے پاس بٹھا کر کہا کہ اسے شروع سے آخر تک دیکھ لو۔ چنانچہ اس طرح بنیادی حقوق کا عربی ترجمہ ازسرِ نو ان کی معیت میں دوبارہ دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ صلاح الدین صاحب نے اس کے علاوہ بھی بہت سے کتابچے لکھے ہیں۔ اگر وہ صحافت کی دنیا میں نہ آتے تو علمی دنیا میں اسی طرح انقلاب برپا کرتے جس طرح صحافت کی دنیا میں انقلاب برپا کیا۔

صلاح الدین صاحب خالص اسلامی ذہن کے حامل تھے۔ وہ دنیا اور بالخصوص ملت اسلامیہ کے مسائل سے بخوبی واقف تھے۔ انکی تاریخ اسلامی اور قرآن و حدیث پہ چونکہ گہری نظر تھی اس لئے اسی کے تناظر میں وہ تمام مسائل پر غور کرتے۔ بوسنیا اور افغانستان کے مسائل پر انہوں نے بہت کچھ لکھا۔ افغانستان پر انہوں نے شروع ہی سے جتنا کچھ لکھا شاید اس کی مثال اسلامی اور غیر اسلامی صحافیوں کے یہاں نہ ملے۔ افغانستان پر ان کا کتابچہ بھی ہے جس کو پڑھنے کے بعد ان کی سیاسی بیداری اور دور رس نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ افغانیوں کے اذہان کو جہاد کے لئے تیار کرنے اور انہیں آزادی دلانے میں ان کا غیر معمولی کارنامہ ہے تو اس میں ہرگز کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ صلاح الدین صاحب ایک نہیں متعدد بار مجاہدین کے ساتھ محاذ پر کئی کئی دن تک رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ بارہا گولیوں کا نشانہ بنتے بنتے بچے۔ مجاہدین نے بھی صلاح الدین کی خدمات کو بڑی قدر کی نظروں سے دیکھا ہے۔ ان کی صحافت کا رہتی دنیا تک عالم اسلام مرہون منت رہے گا۔

جناب صلاح الدین صاحب نے اپنی زندگی کا آغاز ایک [illegible] کی حیثیت سے کیا تھا۔ لیکن ان سے تو اللہ کو ملت کی رہبری کا کام لینا تھا۔ چنانچہ اپنی محنت اور لگن سے ایک اعلیٰ قسم کے صحافی بن گئے اور اپنی پچاس سالہ زندگی (تقریباً) میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ جو کبھی فراموش نہیں کئے جا سکتے۔ آج ان کی کتاب بنیادی حقوق انسان کے بہت سے مقالات پاکستان کی جامعات میں داخل ہیں جس سے ان کی قدر و قیمت اور ان کے قلم کی طاقت و قوت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اللہ نے انہیں تقریر و تحریر دونوں کی زبردست صلاحیت عطا کی تھی۔ تکبیر کا آغاز انہوں نے ایک مختصر منزل کے تین کمروں میں کیا تھا۔ جہاں سیلاب آیا ہوا تھا۔ لیکن دیکھتے دیکھتے یہ تکبیر نہ صرف پاکستان میں بلکہ دنیا کے کونے کونے میں پڑھا جانے لگا اور اس مختصر منزل سے نکل کر ایک نہایت اعلیٰ شان عمارت میں آگیا اور اب تکبیر اردو ہفت روزہ رسائل میں دنیا کا سب سے بڑا ہفت روزہ رسالہ بن گیا۔ پوچھنے پر صلاح الدین صاحب نے مجھے بتایا کہ اس وقت اس کی اسی ہزار کی اشاعت ہے۔ تکبیر کی اس اشاعت اور مقبولیت کا راز دراصل ان کے قلم کا سحر ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ آج اس قلم کو ان لوگوں نے توڑ دیا جن کو قرآن نے قلم کی تعلیم (علم بالقلم) دی تھی۔ اللہ اس عظیم شخص کی خدمات اور قربانیوں کو قبول کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

(بقیہ ملک کا بیا کاروتعلیمی نظام اور تحریک اسلامی)

اور اب تک نہیں ہوا تو جس قدر جلد ممکن ہو یہ کام ہو جانا چاہئیے۔

یہاں بھی ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب تک ہم خود اپنا نظام تعلیم نہیں بنا لیتے اس وقت تک ہمیں کیا کرنا چاہئیے۔ اس سلسلے میں بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جب تک ہم اپنا نظام تعلیم بنانے میں کامیاب نہیں ہو جاتے اس وقت تک ہمیں موجودہ نظام تعلیم سے اس طرح استفادہ کرنا چاہئیے کہ اچھی چیزیں تو ہم حاصل کریں اور بری چیزوں سے بچتے رہیں یعنی "خذ ما صفا ودع ما کدر" (صاف ستھری چیز لے لو اور گندی چیز چھوڑ دو) کے اصول پر عمل کریں۔

تھی جسکی رگ وپے میں فقط امنتی کردار

محمد اسمٰعیل فلاحی

برادر مکرم اقبال ملا صاحب امیر حلقہ جماعت اسلامی ہند کرناٹک وگوا کے خط کے بموجب پروفیسر شرف الدین صاحب (ریٹائرڈ) ہاسن کے کار حادثہ میں جاں بحق ہونے کی اطلاع دل و دماغ پر بجلی بن کر گری۔ موصوف حیات نو کے ایک سنجیدہ قاری، جامعہ کے ہمدرد اور تحریک اسلامی کے سرگرم کارکن تھے۔ دعوت و تبلیغ کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا دل درد مند کے مالک، لوگوں کی گمراہی اور کج روی پر رونے والے۔ جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا۔ اصلاحی، تعمیری اور تعلیمی کاموں میں اپنی بساط سے بڑھ کر شریک ہوتے اور شریک کئے جاتے، تقریر بڑی مسحور کن اور دل میں اتر جانے والی ہوتی۔ جس میں سمندر کی طغیانی اور اس کا تموج نہ ہوتا نہ بادل گرجتے نہ بجلیاں چمکتیں۔ موثر اور دھیما لب و لہجہ ہوتا۔ ایک خاموش بہتا دریا جسکی تہہ میں نہ جانے کتنے لعل و گہر پنہاں ہوتے از دل خیزد بر دل ریزد کے مصداق جو لفظ بھی زبان سے نکلتا دل میں اترتا چلا جاتا۔ کنڑی اور انگریزی مادری زبان کی طرح لکھتے اور بولتے۔ یہی وجہ ہے کہ مردوں اور عورتوں، مسلمانوں اور غیر مسلموں کسی کا اجتماع ہو، اس میں بلائے جاتے اور ہر حلقہ میں پسند کئے جاتے۔ کنڑی ترجمہ قرآن کی تہذیب و تنقیح میں انکے مشورے شامل رہے۔ عربی زبان سیکھ لی تھی۔ بلا کے ذہین تھے۔ کمال یہ ہے کہ خود سے سیکھی تھی۔ کچھ دنوں مجھ سے اور محترم مولانا عبدالقدیر صاحب اصلاحی (ہاسن) سے مدد لی تھی قرآن و حدیث اور عربی کتابیں براہ راست اپنی اصل زبان میں سمجھتے، اہم مقامات

پر رکتے جھرجھری پیدا ہوتی، آنکھیں بھیگ جاتیں۔ خوشی کا موقع ہوتا یا ادب کی چاشنی ہوتی جھوم اٹھتے اور زبان چاٹنے لگتے۔ معلوم نہیں کتنی بار ہم ساتھ بیٹھے ہیں اور گھنٹوں بیٹھے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی بھی مجلس قرآن و حدیث کے ذکر یا اصلاح و دعوت کے موضوع سے خالی نہ ہوتی۔

لانبا قد، چوڑی پیشانی، دبلا پتلا سانولا جسم، لکچرر سے ترقی کر کے پروفیسر بنے، صدر شعبہ رہے۔ اللہ نے محبوبیت کی خلعت پہنا دی تھی۔ کیا ہندو کیا مسلمان، کیا چھوٹے اور کیا بڑے، سبھی قدر کرتے۔ دکھاوے اور کبر و تعلی سے کوسوں دور، انکسار و تواضع کے پیکر، شاخ ثمربار کی طرح جھکے ہوئے۔ حضورؐ نے دل کی طرف اشارہ کر کے تین بار ارشاد فرمایا تھا التقوی ھٰھُنا تقویٰ یہاں ہے واقعہ یہ ہے کہ انکے دل میں اسلام اتر چکا تھا اور تقویٰ گھر کر چکا تھا۔ داڑھی کی اہمیت دل میں جب اتری، چہرہ پر داڑھی اگ آئی سگریٹ کے چین اسموکر (CHAIN SMOKER) تھے۔ معلوم ہوا حضورؐ نے لہسن پیاز کھا کر مسجد میں آنے سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے اسی پر قیاس کر کے سگریٹ نوشی ترک کر دی۔ اکلوتے بیٹے کا چند دنوں کی علالت میں انتقال ہو گیا جس پر بڑی توجہ صرف کی تھی۔ تھا تو وہ ننھا منا لیکن کلاس میں غیر مسلم ساتھیوں کو بتوں کی بے بضاعتی کے معاملہ میں لاجواب کر دیتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اس موقع پر گھر میں کہرام مچا تھا اور یہ صبر و رضا کی تصویر بنے محمد علی جوہر کی طرح زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

وہ کیا موضوع تھا اب ذہن میں نہیں بس اتنا یاد ہے کہ عصر کے پہلے سے ہم لوگ مشغول تھے۔ عصر کی نماز کے لئے مسجد آئے تو راستہ میں ایک نوجوان کو سڑک پر پڑے ہوئے مدہوشی کے عالم میں پایا۔ پھر افطار بعد

مغرب کیلئے آئے۔ دوبارہ وہی نوجوان اسی حالت میں نظر آیا۔ کچھ دیر ہم لوگ کھڑے رہے۔ اس کے کپڑے خراب ہو چکے تھے۔ شدید تکلیف اور بے چینی میں تھا۔ حواس غائب تھے۔ بظاہر چند گھڑی کا مہمان تھا۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر اسے کسی طرح آٹو کے ذریعہ اسپتال لائے۔ گلوکوز چڑھایا گیا۔ بعض اور احباب بھی آ گئے۔ تیسری بوتل میں اس نے آنکھیں کھول دیں اور ہذیانی کیفیت میں کچھ بے ترتیب نام لئے۔ روزنامہ "سالار" بنگلور کو فون کے ذریعہ اس کے حلیہ کے ساتھ ان ناموں کی اطلاع کی گئی۔ خبر چھپنے کے تیسرے دن اس کے گھر والے آ پہونچے۔ اس کی حالت نازک تھی۔ اسے علاج کے لئے بنگلور لے جایا گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ صحت یاب ہو گیا۔ یہ سراسر اللہ کا فضل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے شرف الدین صاحب کو بہانہ بنایا۔ اس نوجوان کی ڈوبتی ہوئی نبض کا دوبارہ واپس آ جانا دراصل انہی کی انسانیت دوستی کا نتیجہ تھا۔

یوں تو وہ کنڑی زبان کے بہترین مقرر تھے۔ اسلام کا پیغام اس زبان میں بڑی خوبصورتی سے پیش کیا کرتے۔ اردو تقریر بھی اپنے اندر بلا کی جاذبیت رکھتی تھی۔ چونکہ وہ استاد تھے اور نفسیات سے واقف، اس لئے اپنی تقریر میں اس کی نہایت درجہ رعایت رکھتے۔

ایک بار خواتین کے اجتماع میں تقریر کر رہے تھے۔ کہنا یہ تھا کہ ہمیں اپنی زندگی سے دو رنگی دور کر لینی چاہئے اور اسلام میں پورے طور سے داخل ہو جانا چاہئے۔ لا الٰہ الا اللہ کا دعویٰ اور غیر اللہ کی اطاعت یہ دونوں میل کھانے والی چیزیں نہیں ہیں۔ اس بات کی تمہید انہوں نے یوں اٹھائی کہ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (اللہ کا رنگ اختیار کرو۔ اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے اور ہم اسی کے عبادت گزار ہیں) کی تلاوت کی، ترجمہ کیا۔ پھر کہا میری بیوی کو بلاؤز ہی کی ضرورت تھی۔ وہ میرے

ساتھ ایک دکان سے دوسری دکان گھومتی رہیں۔ کہیں میچنگ کلر (MATCHING COLOUR) نہیں مل پا رہا تھا۔ شرف الدین صاحب نے کہا انسان کس طرح یک رنگی پسند کرتا ہے۔ اسے دو میل کا کپڑا پسند نہیں۔ ہمارا مالک و آقا ہماری زندگی میں دو رنگی کیسے پسند کر سکتا ہے؟ ہماری زندگیوں میں ایک نہیں، کتنے رنگ ہیں! ہمیں سارے رنگ دور کر کے خدا کے رنگ میں رنگ جانا چاہیئے۔

"چکنا لنڈا" ہاسن میں جھونپڑپٹیوں کا مسلم علاقہ ہے۔ بالعموم لوگ غریب اور مزدور کلاس کے ہیں۔ وہاں تقریر کرتے ہوئے ایک بار انہوں نے کہا الیکشن قریب ہے۔ ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے "چکنا لنڈوں" میں سیاستداں "غریبی ہٹاؤ" کا نعرہ لگاتے ہوئے آئیں گے اور ووٹ لیں گے۔ نعرہ سالوں سے لگ رہا ہے۔ لیکن غریبی دور نہیں ہوئی۔ سرکار جوا، لاٹری اور سود کے کاروبار چلاتی ہے۔ شراب کی اجازت دیتی ہے۔ غریبی کیسے دور ہو؟ اس علاقہ کے لوگ گاڑی چلاتے ہیں اور غریب کہلاتے ہیں۔ یہاں بہت سے پرائیویٹ اسکول چل رہے ہیں۔ استانیاں اور اساتذہ اچھے کپڑوں میں آتے اور امیر کہلاتے ہیں۔ حالانکہ ایک گاڑی والا انکی تنخواہ کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ کماتا ہے۔ پھر بھی وہ غریب کہلاتا ہے کیوں؟ پیسہ کہاں چلا جاتا ہے؟ سنیما دیکھنے، سیندھی پینے، سود دینے اور جوا کھیلنے کی نذر ہو جاتا ہے۔ آپ جائزہ لیں یہاں کے لوگ روزانہ کتنے لاٹری کے ٹکٹ خریدتے ہیں۔ اس طرح کتنے پیسے جاتے اور کتنا آتا ہے لاٹری جوا ہے۔ شراب حرام ہے۔ لاٹری، شراب اور سینما کے جنگل سے انسان اگر نکل جائے تو کیا غریبی دور نہیں ہو سکتی؟ اس موقع پر ایک واقعہ بھی سنایا کہ ایک صاحب نے کھانے پر مدعو کر رکھا تھا۔ کھانے کے بعد موز (کیلا) منگایا۔ بچے للچائی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ لگے ڈانٹنے کہ دیکھو مرے جا رہے ہیں۔

روز روز موز کہاں سے لاؤں۔ کچھ دیر بعد انہوں نے سگریٹ نکالا۔ میں نے پوچھا روزانہ کتنے سگریٹ پیتے ہیں۔ ان کے جواب پر میں نے عرض کیا سگریٹ اسلام میں پسندیدہ نہیں، بہت سے عرب علماء حرام کہتے ہیں۔ پیاز کھا کر مسجد آنے سے حضورؐ نے روکا ہے۔ تمباکو میں بھی یہی علت پائی جاتی ہے اگر آپ اسے چھوڑ دیں تو اپنے بچوں کو روزانہ موز کھلا سکتے ہیں۔ اس واقعہ کے بعد پروفیسر صاحب نے حاضرین سے کہا کہ اگر دل و جان سے اسلام قبول کر لیا جائے، اس کے اصول اپنا لئے جائیں۔ مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے اور جزا و سزا کا یقین ہو۔ خدا کے حاضر و ناظر ہونے کا احساس ہو تو غریبی کیا چیز ہے۔ دنیا کی کون سی خرابی ہے جو دور نہ ہو سکے۔ انہوں نے کہا امیری کا تصور عالیشان عمارتیں اور غربت کا مطلب جھونپڑا لینا صحیح نہیں ہے۔ حضورؐ نے ایک بار وضاحت فرمائی تھی کہ غریب کون ہے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جھونپڑا میں رہنے والا غریب ہے بلکہ یہ بتایا کہ غریب وہ ہے جو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے نامہ اعمال میں عبادتیں بھی ہونگی لیکن ساتھ ہی اس نے دوسروں کے حقوق مارے ہونگے۔ ان حقداروں کو ان کے حقوق اس کی نیکیوں سے ادا کئے جائیں گے۔ نیکیاں ختم ہونے پر ان کے گناہ اس کے اوپر لاد دیئے جائیں گے اور جہنم میں اسے بڑی بے دردی سے دھکیل دیا جائیگا۔"

آہ اب یہ آواز دوبارہ ہم نہیں سن سکیں گے۔ عیدالاضحیٰ کے دن ۱۱ مئی ۱۹۹۵ء کو اپنے کسی عزیز کی تجہیز و تکفین میں شرکت کیلئے فیملی کے ساتھ ہاسن سے بنگلور جاتے ہوئے صبح میں ساڑھے چھ بجے سڑک پر کھڑی ایک بھری لاری سے ان کی نئی کار ٹکرا گئی۔ کار یہ خود چلا رہے تھے۔ جائے وقوعہ پر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ جا رہے تھے اپنے عزیز کے جنازہ میں شرکت کرنے، کیا خبر تھی کہ راستہ میں موت انکا انتظار کر رہی ہوگی اور اب خود انکا جنازہ کندھوں پر اٹھایا جائے گا۔

یہ پہلے اسکوٹر پر چلا کرتے تھے۔ گاڑی کنٹرول میں رکھ کر چلانا انکی عادت تھی اللہ نے وسعت دی۔ کار خریدی، کسے معلوم تھا کہ یہی کار پیام موت لائے گی اور وہ کار میں بیٹھ کر موت کے استقبال میں دوڑتے جائیں گے۔ القدرا بھی ای القدرا، بڑی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔ خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را۔

غزل

ادریس ضیاء

خاموش تھا جو میں تو کوئی بھی نہ تھا خلاف
جب بولنے لگا تو زمانہ ہوا خلاف

حق بات سے زمانہ ہمیشہ رہا خلاف
جب بھی ہوا چلا ہے چلی ہے ہوا خلاف

لوگوں نے خود پسند کیا موم کا بدن
ورنہ کسی سے دوستو! سورج نہ تھا خلاف

پیروں سے روندڈالا ہوا نے بری طرح
پتہ شجر کا جب بھی شجر سے ہوا خلاف

جب وہ برادراست برائی نہ کر سکا
اشعار میری شان میں کہنے لگا خلاف

ملتے رہے ہر ایک سے ہم تو بصد خلوص
سوچا نہ ہم نے کون ہے ہم سے ضیا خلاف

غزل

انور تلہری

یہ کون چاہے گا ناکام گھر جائے
مگر نصیب کا لکھا ہوا کدھر جائے

ہزاروں شخص کے دل کی یہی تمنا ہے
سکوں کے ساتھ میری زندگی گذر جائے

عجیب درد محبت میں دل کا عالم ہے
ذرا سی ٹھیس لگے، ٹوٹ کر بکھر جائے

الٰہی اتنا اثر دے زباں میں میری
کہ میری بات ہر اک قلب میں اتر جائے

خدا کا جلوہ تو دل ہی میں ہم نے دیکھ لیا
جسے بھی جانا ہو وہ کوہ طور پر جائے

سبق سکھایا ہے حضرت حسینؓ نے انور
جو مرنا چاہے تو راہ خدا میں مر جائے

ان الحسنات یذھبن السیئات

از علامہ یوسف القرضاوی

یوم عاشوراء کا روزہ اور یہود کی مخالفت

ترجمانی

کیا ماہ محرم میں شادی جائز نہیں؟

سید زاہد اصغر فلاحی

سوال: کیا یوم عاشوراء کے روزے سے پورے سال کا گناہ بخش دیا جاتا ہے آیا صرف گناہ صغیرہ بخشے جاتے ہیں یا گناہ کبیرہ بھی؟

جواب: یوم عاشوراء کو روزہ رکھنے اور اسکی فضیلت کے سلسلہ میں متعدد احادیث آئی ہیں مسلم شریف کی حدیث ہے۔

صوم یوم عرفۃ یکفر سنتین ماضیۃ ومستقبلۃ وصوم یوم عاشوراء یکفر سنۃ ماضیۃ

یوم عرفہ کا روزہ دو سال (پچھلے اور اگلے) کے گناہوں کو دھو ڈالتا ہے اور یوم عاشوراء کا روزہ پچھلے پورے ایک سال کے گناہ دھو ڈالتا ہے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ یوم عاشوراء کا روزہ پورے سال کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتا ہے ہم میں سے کون ہے جو یہ دعویٰ کرے کہ اس سے گناہ سرزد نہیں ہوتے یہ اللہ کا بڑا کرم ہے ہم بندوں پر کہ اس نے مختلف بہانوں سے ہمارے گناہوں کی بخشش کا دروازہ کھول رکھا ہے بلکہ یوں کہنا بہتر ہوگا کہ تمام نیکیاں نہ صرف باعث ثواب ہوتی ہیں بلکہ گناہوں کو دھونے والی بھی ہوتی ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے۔

"ان الحسنات یذھبن السیئات" بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اس لئے ہم بندوں کو چاہئے کہ ان نیکیوں کا اہتمام کریں تاکہ یہ نیکیاں ہماری برائیوں کو ختم کرنے کا سبب بنیں۔

بعض علماء کے نزدیک گناہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں معاف ہو جاتے ہیں۔

کیونکہ حدیث میں اس بات کی قید نہیں ہے کہ صرف گناہ صغیرہ ہی معاف ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس بعض علماء کے نزدیک صرف گناہ صغیرہ ہی معاف ہوتے ہیں، گناہ کبیرہ براہ راست توبہ واستغفار اور حق کی ادائیگی سے ہی معاف ہوتے ہیں انہوں نے دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کی ہے۔

"الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة و رمضان الی رمضان مکفرات ما بینھن اذا اجتنبت الکبائر" پنج وقتہ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ ایک رمضان سے دوسرا رمضان یہ سب گناہوں کو بخشنے والے ہیں اگر گناہ کبیرہ نہ سرزد ہوا ہو۔

سوال:۔ روایت ہے کہ حضورؐ جب مدینہ تشریف لائے اور انہوں نے یہودیوں کو یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا تو آپؐ نے بھی اس دن روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی، دوسری روایت ہے کہ حضورؐ نے اپنے امتیوں کو یہودیوں کی مخالفت کرنے اور انکی اقتدار نہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے ان دونوں روایتوں میں کیونکر تطابق ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ جس پہلی روایت کا آپ نے تذکرہ کیا ہے وہ صحیح حدیث ہے جب آپ مدینہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یوم عاشوراء میں روزہ رکھتے دیکھا تو آپؐ نے ان سے اسکی وجہ دریافت کی، ان لوگوں نے کہا کہ یہ ایک مبارک دن ہے اس دن اللہ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی تھی چنانچہ موسیٰ نے اس دن روزہ رکھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم ان کی اقتدار کے زیادہ حقدار ہیں پھر آپؐ نے خود روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اسکی تاکید فرمائی۔

وہ حدیث بھی صحیح ہے جس میں آپ نے یہود و نصاریٰ کی مخالفت اور انکی اقتدار نہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضورؐ نے یوم عاشوراء کا روزہ یہودیوں کی اقتدار

میں نہیں رکھا تھا بلکہ روایتوں میں ہے کہ وہ ہجرت سے قبل بھی یہ روزہ رکھتے تھے بلکہ اہل عرب جاہلیت میں اس دن روزہ کا اہتمام کرتے تھے

حضورؐ نے اس دن روزہ یہودیوں کی اقتدار میں نہیں رکھا بلکہ آپؐ نے خود اس کی وجہ بیان فرمادی کہ ہم موسیٰ کے زیادہ حقدار ہیں یہود و نصاریٰ نے تو موسیٰ کی تعلیمات کو فراموش کردیا لیکن میں ان ہی تعلیمات کو لے کر آیا ہوں جنہیں موسیٰ لیکر آئے تھے اس لئے ہمارا رشتہ ان سے قریب تر اور مضبوط تر ہے اور ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم موسیٰ کی اقتدار میں یہ روزہ رکھیں۔

آپ نے مدینہ آنے کے بعد یوم عاشوراء کو روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی اس میں ایک پہلو یہ بھی مضمر ہے کہ یہ اسلام کا ابتدائی دور تھا اس دور میں یہودیوں کے تالیف قلب کیلئے تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے قریب آئیں آپؐ نے یہ پسند فرمایا کہ مسلمان بھی اس دن روزہ رکھیں لیکن بعد میں جاکر بہر حال یہودیوں سے مخالفت کا ایک پہلو بیان کردیا کہ تم یہودیوں کی اقتدار میں صرف دسویں تاریخ کو روزہ نہ رکھو بلکہ اس سے ایک دن قبل یا ایک دن بعد کا بھی روزہ رکھا کرو۔

سوال: کیا احادیث میں محرم کی دسویں تاریخ کو روزہ رکھنے کے علاوہ دوسرے کاموں مثلاً سرمہ لگانا، اچھے اچھے کپڑے پہننا اور اچھے اچھے کھانے پکانے کی بھی ترغیب آئی ہے؟ کیا اس محرم کے مہینہ میں شادی بیاہ وغیرہ جائز نہیں؟

جواب: روزہ رکھنے کے علاوہ کوئی دوسرا کام ایسا نہیں ہے جس کی ترغیب کسی حدیث میں موجود ہو۔ اس سلسلہ میں بعض احادیث موجود ہیں لیکن علماء حدیث کہتے ہیں کہ وہ سب ضعیف اور موضوع احادیث ہیں بعد کے لوگوں نے انہیں گھڑ لی ہیں۔ اس دن اچھے کپڑے پہننا، اچھے کھانا پکانا در اصل ایک بدعت ہے جسے کہ امام حسینؓ کے قتل کرنے والوں نے ایجاد کی اس بدعت کا مختصر تاریخی پس منظر بھی جان لیں تو بہتر رہے گا۔

اللہ کی مرضی تھی کہ اس دسویں محرم کو امام حسینؓ شہید کیے گئے چنانچہ امام حسین کے متبعین اور شیعہ حضرات نے اسے رنج والم کا دن شمار کیا بلکہ پورے محرم کے مہینہ ہی کو شہر ماتم بنا ڈالا ہر قسم کی خوشیاں اور خوشیوں کی تقریبات اپنے اوپر حرام کر ڈالیں اور ایسے ایسے اعمال ایجاد کئے جو ان کے غم کو ظاہر کر سکیں۔

ان کے برعکس وہ گروہ جس نے امام حسینؓ کو شہید کیا تھا انہوں نے اس دن کو خوشی اور مسرت کا دن قرار دیا اور ایسی ایسی بدعتیں ایجاد کیں جن سے خوشی کا اظہار ہو سکے اس سلسلے میں انہوں نے اپنی طرف سے مختلف احادیث بھی گڑھ لی ہیں۔

یہ دونوں رخ غلو کا رخ ہے ان میں ہر ایک غلو اور بدعتوں کا شکار ہے

حق یہ ہے کہ ہم تعصب کا شکار ہو کر ایسے کام نہ کریں جس کی مثال حضورؐ اور صحابہ کے افعال میں نہ ملتی ہو ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم حضورؐ کی اتباع کریں اور ایسے کام نہ کریں یا ان چیزوں کو رواج نہ بنائیں جن میں اسلامی روح اور اتباع رسول کے وصف کا فقدان ہو۔

ان ہی غلط سوچوں میں ایک سوچ یہ ہے کہ حزن وغم کا اظہار کرنے کیلئے لوگ شادی بیاہ وغیرہ سے پرہیز کرتے ہیں حالانکہ کوئی ایسی حدیث نہیں اور نہ ہی رسولؐ اور ان کے صحابہ کا عمل ہی اس بات کے حق میں ہے کہ اس مہینہ شادی کرنا جائز نہیں۔ اس کے برعکس محرم کا مہینہ چار محترم مہینوں میں سے ایک ہے جس کی فضیلت قرآن وحدیث میں موجود ہے اور اس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے اس مبارک مہینہ میں شادی جیسا اہم فریضہ بھی با برکت ہونا چاہئے نہ کہ ناجائز۔

تعارف وتبصرہ

عبدالبر اثری فلاحی

حضرت مولانا شاہ محمد عبدالرحیم مجددیؒ ــ حیات وخدمات

خصوصی اشاعت ماہنامہ "ہدایت" جے پور (نومبر ۱۹۹۴ء)

سرپرست :- محمد فضل الرحیم مجددی

مدیر اعلیٰ :- محمد ضیاء الرحیم مجددی

کتابت وطباعت :- عمدہ صفحات ۲۱۶

قیمت :- ۲۵ روپئے

خط وکتابت کا پتہ :- ماہنامہ ہدایت پوسٹ بکس نمبر ۳۵ جے پور ۳۰۲۰۰۱ (راجستھان)

جامعۃ الہدایہ جے پور، راجستھان کی ایک عظیم اور منفرد درسگاہ ہے جہاں دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے اس کا امتیاز یہ ہے کہ وہاں عالم دین بنانے کیساتھ ساتھ فن کار اور ہنرمند بھی بنایا جاتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ٹکنیک اور فن سکھایا جاتا ہے تاکہ سند فراغت حاصل کرنے کے بعد معاش کے حصول میں دشواری نہ ہو بلکہ روزی روٹی خود اپنے ہاتھوں سے کمائیں اور یکسو ہو کر اپنا فرض منصبی انجام دیں، جہاں تک اس سوچ کا تعلق ہے ماضی میں دوسرے اکابر علماء اور دانشوران کے ذہنوں میں بھی رہا ہے۔ لیکن اسے عملی جامہ پہنانے کا شرف مولانا شاہ محمد عبدالرحیم مجددیؒ کے حصہ میں آیا جو جامعۃ الہدایۃ کے بانی ہیں انہیں کی حیات وخدمات کے تذکرے پر ماہنامہ "ہدایت" کا یہ

خصوصی شمارہ مشتمل ہے، جہاں یہ انکے اعلیٰ اخلاق وکردار اور خدمات عالیہ پر روشنی ڈالتا ہے وہیں وہ اس نئے تجربہ کی روداد بھی سامنے لاتا ہے۔ اور آئندہ کیلئے نشان راہ بھی متعین کرتا ہے۔ اس لحاظ سے اس میدان میں آگے بڑھنے والوں کیلئے یہ خصوصی شمارہ ایک "بہترین گائیڈ" کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولانا کی یہ خدمت اس پہلو سے بھی حیران کن ہے کہ مولانا حلقہ صوفیاء سے تعلق رکھتے تھے جہاں اس قسم کا خیال آنا بھی بعید از قیاس سمجھا جاتا ہے اس کے باوجود مولانا نے نہ صرف سوچا بلکہ عملاً کرکے دکھا دیا یہ دراصل مولانا کے خلوص، بصیرت، وسعت نظر، جرأت وہمت اور امت کی خیرخواہی کی دلیل ہے کاش دوسرے مدارس اور خانقاہوں کے ارادت بھی اس بہترین اسوے کو اپناتے۔

مولانا کی صفات وکمالات کی تفصیل تو آپ اصل کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں میں صرف ایک تاثر نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں۔

"مجھے تو پہلی نظر میں شیخ طریقت، عالم ربانی اور مربی سے زیادہ مجاہد نظر آئے، وہ مجسم محبت اور مروت نظر آئے، مجھے ان کے طرز عمل میں مجاہدانہ روح تڑپتی نظر آئی، تھوڑی بہت گفتگو اور صحبت میں میں نے انہیں طبقہ علماء میں منفرد خصوصیات کا حامل پایا" (ص۵۳)

پیرومرشد سے عقیدت میں غلو تصوف کی عام بیماری ہے۔ اس معاملہ میں جہاں مریدین محتاط نہیں ہوتے وہیں مرشدین بھی حساس دکھائی نہیں دیتے لیکن مولانا کی زندگی اس معاملہ میں بھی صاف شفاف نظر آتی ہے جیسا کہ مولانا سے کئے گئے ایک سوال اور اس کے جواب سے اندازہ ہوتا ہے۔

سوال:۔ لوگ جب آپ کی دست بوسی کرتے ہیں تو آپ کیا محسوس کرتے ہیں؟

جواب:۔ ہرگز نہیں، نہ میں اسے پسند کرتا ہوں اور نہ میں اسے اپنی عزت اور مرتبہ سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں لوگوں کو بارہا منع بھی کر چکا ہوں۔ آپ تو خود کل موجود تھے جب افتتاح کے موقعہ پر میں نے لوگوں کو فوٹو لینے کیلئے منع کیا تھا اسی سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں اس کے کتنا خلاف ہوں"۔ (ص۹۹)

کاش کہ دوسرے پیران طریقت بھی یہی نمونہ پیش کرتے۔

زبان وبیان کی بعض غلطیاں محل نظر ہیں مثلاً ص۲۶ پر ہے۔

"بالآخر ۵ رجنوری ۱۹۹۷ء م ۲۲ ررجب المرجب کا دن گذرنے کے بعد شب میں ۹ ربجے آپ نے دار فانی کو لبیک کہا"

اس جملے میں "دار فانی کو لبیک کہا" درست نہیں، یا تو "دار فانی کو خیرباد کہا" یا "داعی اجل کو لبیک کہا" ہونا چاہیئے تھا۔

غزل

سالک بستوی

وقت اک روز سہارے کا پتہ بھی دیگا — کوئی تنکا ہو کنارے پہ لگا بھی دے گا
شرط یہ ہے کہ ہر اک کام دیانت سے کرو — نیک اعمال کا پھل تم کو خدا بھی دے گا
پھول تو ویسے ہی نکہت کا امیں ہے لیکن — خار گلشن کا تڑپنے کی ادا بھی دیگا
ہمنوا میں نے جسے اپنا سدا سمجھا تھا — کیا خبر تھی وہی جینے کی سزا بھی دیگا
تم محبت کی اداؤں کا سبق تو سیکھو — پھر کوئی اپنے ہی دامن سے ہوا بھی دیگا
چاند تاروں سے بہت دور ہے دنیا میری — کون ہے جو مری رفعت کا پتہ بھی دیگا

اسی امید پہ جینے کی طلب ہے سالک
وہ کسی دن تو وفاؤں کا صلہ بھی دیگا

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

امتحانات

یہ طے پایا ہے کہ ششماہی امتحانات ۲۲ جولائی ۱۹۹۵ء سے شروع ہو کر ۳ اگست ۱۹۹۵ء بروز جمعرات ختم ہونگے اور اسی دن امتحان بعد طلبہ گھروں کو جا سکیں گے۔ ۹ اگست ۱۹۹۵ء تک اساتذہ کرام نتائج تیار کریں گے۔ ۱۰ اگست ۱۹۹۵ء تا ۲۶ اگست ۱۹۹۵ء ششماہی تعطیل رہے گی۔ دوسری ششماہی ۲۷ اگست ۱۹۹۵ء اتوار سے شروع ہوگی اور اسی دن سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہو جائے گا۔ اس دفعہ مولانا نور محمد صاحب فلاحی ناظم امتحان بنائے گئے ہیں اور ان کے نائب جناب مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی اور ماسٹر منور علی صاحب مقرر کئے گئے ہیں۔

جمعیۃ الطلبہ کا انتخاب

طلبہ کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے اور انہیں مختلف امور کی عملی تربیت دینے کیلئے انکی اپنی ایک انجمن ہے۔ طلبہ اپنے درمیان سے اپنے ذمہ داروں کا انتخاب کرتے ہیں ۹۶-۱۹۹۵ء تعلیمی سیشن کیلئے طلبہ نے عزیزی ضمیر اللہ اعظمی کو سکریٹری کی حیثیت سے منتخب کیا ہے۔ دوسرے شعبوں کے ذمہ دار درج ذیل ہیں

معتمد لائبریری طاہر محمود (سدھارتھ نگر) معتمد رسائل و جرائد شکیل احمد (اناؤ) معتمد اردو خطابت و صحافت عبدالسلام (رامپور) معتمد عربی خطابت و صحافت رئیس احمد (نیوتنی) معتمد انگریزی خطابت و صحافت نورالاسلام (گڈا) معتمد صحت و صفائی افضال الرحمن (مدھوبنی) معتمد خدمت خلق جنید احمد (سدھارتھ نگر) معتمد اسٹور محمد بابر (دربھنگہ) معتمد گیم خالد جمیل

(مونگیر) معتمد انگریزی خطابت و صحافت عربی اول تا چہارم محمد احمد ملنا (...) معتمد عربی خطابت و صحافت عربی اول تا چہارم اشتیاق عالم (رانچی)

مزید برآں اردو خطابت و صحافت کیلئے حسب سابق ہر درجہ سے الگ الگ ذمہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا ہے۔ عربی ہفتم سے رضوان احمد رفیقی (بستی) عربی پنجم الف سے محمد اشرف (سوپور) عربی پنجم ب سے آفتاب عالم (کانپور) عربی چہارم الف سے ارشد فریدی (اعظم گڑھ) عربی چہارم ب سے نیاز احمد (اعظم گڑھ) عربی سوم الف سے ذیشان احمد (اعظم گڑھ) عربی سوم ب سے شمیم اختر (اڑیسہ) عربی دوم الف سے ابوطلحہ (گیا) عربی دوم ب سے ابوطالب (اعظم گڑھ) عربی دوم ج سے محمد رضوان خان (گیا) عربی اول الف سے اشہد ریاض (گیا) عربی اول ب سے حبیب عالم (بنارس) عربی اول ج سے خلیل اللہ (جونپور) منتخب ہوئے ہیں۔

معہد الصلاح کا سنگ بنیاد

۱۵ جون ۱۹۹۵ء کو صدر جامعہ مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی صاحب کی قیادت میں نائب صدر جامعہ مولانا محمد سلامت اللہ صاحب اصلاحی، مولانا محمد عمران خان صاحب فلاحی، مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی، ماسٹر منور حسین صاحب، منشی جنید احمد صاحب، منشی محمد فاروق صاحب اور راقم پر مشتمل ایک وفد نعیم الدین صاحب اصلاحی کے گاؤں اسرولیا، کرنول، بنارس پہونچا۔ لو کی وجہ سے بنارس میں اموات کی خبریں پہلے سے مل رہی تھیں۔ وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ مرنے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی جو اخبارات اور ریڈیو والے بتا رہے تھے۔ اس دن تمازت شاید اپنی انتہا پر تھی اور موسم سچ مچ شعلے اگل رہا تھا ہم وہاں شب میں پہونچے تھے۔ صبح تک گرم ہوا چلتی رہی۔ لگتا تھا موت کے منھ میں آ گئے ہوں۔ ویسے اندازہ یہ ہے کہ عام دنوں میں یہ مقام پر فضا

اور موسم خوشگوار رہتا ہوگا۔ درختوں کی قطاریں ہیں۔ بالکل قریب سے دریا بہتا ہے، جسے لوگ کرم ناسا کہتے ہیں۔ ہندو میتھالوجی کے مطابق کرم ناسا راون کے پیشاب سے نکلی ہے اور بکسر کے قریب چونسا میں، جہاں ہمایوں کو شیر شاہ سوری سے شکست ہوئی تھی، یہ گنگا میں جا ملتی ہے، تصور یہ ہے اس کے ملنے کی وجہ سے گنگا کی "پوترتا" ناس ہو جاتی ہے، چند کلو میٹر کے فاصلہ پر لطیف شاہ ڈیم (DAM) بھی ہے اور کیمور کی پہاڑیاں بھی جو در اصل وندھیاچل کا شمالی سلسلہ کوہ ہے۔

دوسرے دن صبح میں وفد نے ایک درس گاہ کی بنیاد رکھی جس کا نام معہد الصلاح تجویز کیا گیا، بنیادیں رکھی جا رہی تھیں اور زبانوں پر ابراہیم و اسمٰعیل کی دعا جاری تھی جو کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے ہوئے انہوں نے اپنے رب سے کی تھی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ اے ہمارے رب! تو اسے ہماری جانب سے قبول فرما، بلاشبہ تو ہی سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔۔

ایک فلاحی بھائی کا انتقال

ہم بڑے افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دے رہے ہیں کہ عزیزی صراط اللہ فلاحی سلمہٗ جنہوں نے جامعۃ الفلاح سے فضیلت کیا تھا پچھلے دنوں انتقال کر گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وہ سدھارتھ نگر کے رہنے والے تھے۔ جامعہ اسلامیہ تلکنا سے آکر عربی ششم میں داخلہ لیا تھا۔ ان دنوں جامعہ ہمدرد دہلی سے بی یو ایم ایس کر رہے تھے۔ دوسرا سال تھا۔ چند ماہ قبل گھٹنے کے قریب پنڈلی میں درد کی شکایت ہوئی۔ ڈاکٹروں نے بون کینسر کی تشخیص کی۔ ٹاٹا ہاسپٹل بمبئی لے جائے گئے۔ ڈاکٹروں نے ٹانگ کاٹنے کا مشورہ دیا۔ پہلے تو وہ اس کے لئے تیار نہیں ہوئے اور اس طرح تاخیر ہو گئی۔ بالآخر ٹانگ کاٹی بھی گئی تو وہ جانبر نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بخشے اور جنت میں جگہ دے۔

ایک اہم اعلان

- انجمن طلبہ قدیم کی شوریٰ نے اپنی گذشتہ میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ تمام فلاحی برادران کی علمی کاوشیں انجمن کی مرکزی آفس میں جمع کی جائیں۔ اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں ہمیں آپ کا تعاون درکار ہے۔ تعاون کی شکلیں حسب ذیل ہیں۔
- وہ برادران جنکی کاوشیں شائع ہو چکی ہیں وہ اپنی مطبوعات کی دو دو کاپیاں روانہ فرمائیں۔
- وہ برادران جنکی کاوشیں ابھی شائع نہیں ہوئی ہیں وہ بھی انکی دو دو فوٹو کاپیاں روانہ فرمائیں۔
- واضح رہے کہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالے بھی مطلوب ہیں۔
- آپکے علم میں فلاحی برادران کی جو بھی کاوشیں ہوں انکی فہرست اور ملنے کی جگہ سے آگاہ کریں۔
- اس ضمن میں کوئی دشواری درپیش ہو تو دفتر انجمن سے رابطہ قائم کریں۔

والسلام

سکریٹری انجمن

محمد عمران خان فلاحی

Regd. No. 46065/86

Monthly **MAJALLAH HAYAT—E—NAU**

BILARIAGANJ AZAMGARH (U.P.)

July 1995 — Vol 11 No. 7

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح کی تازہ پیشکش

"ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس"

مجموعہ مقالات سیمینار منعقدہ ۲۹، ۳۰، اکتوبر ۱۹۹۳ء

منجانب :- انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڈھ۔

اس مجموعہ میں ملاحظہ فرمائیں

- دینی مدارس اپنا متوقع کردار کیوں نہیں ادا کرسکے؟
- ملک وملت کی تعمیر اور دینی مدارس
- عہد نبویؐ کے تعلیمی ادارے
- ہندوستان کی موجودہ تعلیمی تحریکات — ایک جائزہ
- دینی مدارس میں سائنس کی تعلیم
- ملت کے معاشی مسائل اور دینی مدارس
- دور جدید کے تقاضے اور دینی مدارس کا نصاب
- تعلیم بالغاں اور دینی مدارس
- مدارس دینیہ کا وفاق — مسائل اور مشکلات
- بھارتیہ جنتا پارٹی کی تعلیمی پالیسی
- جماعت اسلامی ہند کا تعلیمی نظام
- عصری جامعات سے الحاق اور اسکے مسائل وغیرہ موضوعات پر ماہرین تعلیم وتربیت کے گراں قدر خیالات۔

قیمت ۴۰ روپئے ۳۱۰ صفحات

ملنے کے پتے :-

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریاگنج اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۱۱۰۰۰۶

مدھر سندیش سنگم ای ۲۰ ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵